آؤ لوگو کہ یہیں نور خدا پاؤ گے ۔ لو تمھیں طور تسلی کا بتایا ہم نے

ریویو آف ریلیجنز

یعنی

دنیا کے مذاہب پر نظر

جلد ۸ | بابت ماہ اکتوبر ۱۹۰۹ء | نمبر ۱۰

فہرست مضامین

قادیان ضلع گورداسپور سے ۲۰ اکتوبر ۱۹۰۹ء کو صدر انجمن احمدیہ کے اہتمام سے شائع ہوا ۔ چندہ سالانہ عوام سے عار طلبا سے عہ

نوٹ:۔ خریداران ریویو کی خدمت میں التماس ہے کہ خط وکتابت کے وقت نمبر خریداری ضرور لکھا کریں

انجمن احمدیہ قادیان سے مل سکتی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

آریہ سماج کے اصول

رسالہ ویدک میگزین کی ایک گذشتہ اشاعت میں ایک مضمون نکلا ہے جس کا
عنوان ہے "آریہ سماج کی مذہبی حیثیت" اس مضمون کے اثنا میں مضمون نویس آریہ سماج
کے دس اصولوں کا ذکر کرتا ہے جنکی نسبت وہ فخریہ کہتا ہے کہ مذہبی دنیا میں ایسے دس
اصول کبھی قائم نہیں کیئے گئے باوجود اس فخر کے آریہ سماج کے اصولوں میں ایک ایسی
کمی ہے جس سے کہ وہ تمام اصول بدنما ہوجاتے ہیں آریہ سماج کے اصولوں سے ظاہر
ہوتا ہے کہ اُس کا خدا نہ خالق ہے نہ عفو کرنیوالا ہے اور نہ ہی رحم کرنیوالا ہے ان دس اصولوں
میں سے دوسرا اصول یہ ہے ایشور سچدانند سروپ (مجسم راستی) نراکار (اشکال سے پاک)
سروشکتیمان (قادر مطلق) نیارکاری (منصف) دیالو۔ اجنما (پیدائش سے مبرا) اننت
(لاانتہا) نروِکار (غیر محیط) انادی (ازلی) انوپم (بے مثل) سرو آدھار (سب کا سہارا)
سرو ایشور (سب کا مالک) سرو دیاپک (حاضر و ناظر) سرو انتریامی (عالم کل) اجر
(لازوال) امر (نہ مرنیوالا) ابھے (نہ ڈرنے والا) نت (ابدی) پوتر (پاک) اور سرشٹی
کرتا (صانع) ہے۔

پرمیشور کی صفات بہت سی شمار کی گئی ہیں لیکن اُسکے غفور رحیم ہونے کا کوئی ذکر نہیں
ناظرین یہ خیال کرینگے کہ یہ ایک صرف بلا ارادہ فروگذاشت کا نتیجہ ہے مگر فی الواقع ایسا نہیں
یہ صفات ارادتاً چھوڑ دیئے گئے ہیں چونکہ آریہ سماج والے مسئلہ تناسخ کے قائل ہیں
اسواسطے انکو یہ صفات چھوڑنے پڑے آریہ سماج کے عقائد کے بموجب خدا انسان کا ایک

گناہ بھی نہیں بخش سکتا بلکہ اُنکے عقائد کے بموجب ضروری ہے کہ انسان گناہ کی سزا میں بلّی یا چوہے یا کسی اور جانور کا جنم لے ایک آریہ خدا کے حضور میں اپنے گناہوں کی معافی کے لیئے دعا نہیں مانگ سکتا کیونکہ اُسکا خدا کوئی گناہ خواہ کیسا ہی صغیرہ ہو معاف نہیں کرسکتا چاہے کتنی عاجزی سے ایک آریہ اپنے پرمیشور کے حضور میں عفو کیلئے دعا کرے آریہ سماج کا خدا اُسپر کوئی رحم نہیں کرے گا یہی وجہ ہے کہ عفو اور رحم کی صفات وید کے خدا کی صفات میں مذکور نہیں ہیں۔

یہ کہ عفو اور رحم کی اوصاف اعلیٰ درجہ کی اوصاف ہیں آریہ سماج والے بھی اس بات کو جانتے ہیں کیونکہ وہی مضمون نویس دھرم کی دس صفات میں عفو کی صفت کو دوسرے درجہ پر رکھتا ہے لیکن گو عفو خود آریہ سماج والوں کے نزدیک ایک اعلیٰ درجہ کی صفت ہے، مگر آریہ سماج کا خدا اس صفت سے محروم ہے وہ مضمون نویس یہ بھی مانتا ہے کہ انصاف بلا رحم ایک بڑی سخت چیز ہے اور یہ کہ رحم انصاف کو معتدل کردیتا ہے لیکن افسوس ہے کہ وید کے خدا کا انصاف رحم سے معتدل نہیں ہوتا آریہ سماج کے عقیدے کے مطابق انسان عفو کرنیوالا اور رحم کرنیوالا ہونا چاہیئے۔ لیکن پرمیشور کو ایسی صفات سے متصف نہیں کیا جاتا۔ خداوند کریم کی نسبت یہ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک عاجز گنہگار پر کوئی رحم نہیں کرتا۔ اور نہ اُسکا کوئی گناہ بخش سکتا ہے۔ خواہ وہ گناہ کیسا ہی چھوٹا کیوں نہ ہو اور گنہگار اسکی معافی کے لیئے کیسی ہی عاجزی سے دعائیں کیوں نہ کرے۔

اب اس سے صاف ظاہر ہے کہ ایک معمولی آریہ سماجی کے اخلاق پرمیشور کے اخلاق سے بڑھ کر ہیں۔ کیونکہ ایک سماجی میں وہ اوصاف حمیدہ موجود ہیں جو پرمیشور میں موجود نہیں ہیں۔

اب اسکے مقابل میں قرآن شریف کی تعلیم کو دیکھو۔ قرآن کریم کی پہلی ہی آیت میں لکھا ہے کہ خداوند کریم رحمٰن اور رحیم ہے۔ اور وہ اپنے بندوں کے گناہ معاف کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہے۔ رحمٰن کے معنے ہیں محض اپنے لطف سے نہ کسی کے عمل کی

پاداش میں جانداروں کی ہستی اور انکے اعمال سے پہلے سامان رحمت میسّر کرنیوالا۔ رحیم کے معنے ہیں نیک عملوں کی نیکتر جزا دینے والا۔ اور رحم کرنیوالا پرمیشور کی صفات میں آریہ سماج کے عقائد کے بموجب صفت خالقیّت بھی شامل نہیں ہے۔ پرمیشور کو دنیا کا بنانیوالا مانا جاتا ہے اُسکو دنیا کا خالق نہیں مانا جاتا۔ آریہ سماج کے عقائد کے مطابق پرمیشور کسی چیز کو پیدا نہیں کرسکتا۔ وہ صرف موجودہ مصالح کو جوڑ جاڑ سکتا ہے۔ اس طرح بھی اُسکی طاقت ایک آدمی کی طاقت کے مشابہ ہے۔ جیسا کہ ایک آدمی بلا مادہ کے کوئی چیز نہیں بنا سکتا اسی طرح سے آریہ سماج کا خدا بھی بلا روح اور مادہ کے کچھ نہیں بنا سکتا۔ یہ ضروری ہے کہ روح اور مادہ پہلے پرمیشور کے پاس موجود ہوں تب وہ کچھ بنا سکتا ہے۔ عفو اور رحم کی صفات میں تو انسان خدا سے بڑھ کر ہے اور چیزوں کے بنانے میں انسان خدا کے برابر ہے۔ جیسا کہ انسان کوئی چیز نہیں پیدا کرسکتا ایسا ہی آریہ سماج کا پرمیشور بھی کوئی چیز نہیں پیدا کرسکتا۔ اس طرح آریہ سماج والے پرمیشور کو اُسکی ایک نہایت بڑی صفت سے معزول کرتے ہیں۔ صفت خلق اگر پرمیشور میں نہ ہو تو پرمیشور پرمیشور ہی نہیں ہو سکتا۔

آریہ سماج کے عقائد کے مطابق مادہ اور ارواح پرمیشور کی طرح ازلی اور ابدی ہیں۔ لیکن یہ سمجھ نہیں آتا کہ روح اور مادہ پرمیشور کے ماتحت کیسے ہو گئے۔ کیا خدا نے اُنکو مغلوب کر لیا جیسا کہ کوئی بادشاہ کسی قوم کو مغلوب کر لیتا ہے۔ یا خود ارواح اور مادہ نے خدا کو اپنا مالک مان لیا ہے جسکا حکم اب اُن کو ماننا پڑتا ہے؟ اس سوال پر آریہ سماج والوں کو ضرور سوچنا چاہیئے۔

نامہ نگار مذکور الصدر آریہ سماج کو ایک مشنری جماعت قرار دیتا ہے اور لکھتا ہے کہ تبلیغ کرنا ہی اسکا کام ہے اور یہ بھی لکھتا ہے کہ اسی وجہ سے آریہ سماج کو مباحثوں میں حصّہ لینا پڑتا ہے۔ لیکن آریہ سماج کے مباحثے بدزبانی میں مشہور ہیں۔ اور یہ بدزبانی خود آریہ سماج کے اصول کا ثمرہ ہے۔ نامہ نگار کے بیان کے

بموجب آریہ سماج کا فرض ہے کہ "وہ موجودہ برائیوں کی بڑی سختی اور تلخی کے ساتھ بیخکنی کرے" اور اُسکو یہ بھی خوف ہے کہ گورنمنٹ آریہ سماج کی سختی کو روکنے کے لیئے ضرور مداخلت کرے گی مگر وہ آریہ سماج کو ترغیب دیتا ہے کہ وہ اپنے فرض پر قائم رہے اور گورنمنٹ کی مداخلت کی پروا نہ کرے۔ کیونکہ اگر آریہ سماج نے اس راہ کو چھوڑ دیا تو عیسائی لوگ اس راہ کو اختیار کر لینگے۔ نامہ نگار مذکور اس بات کی تشریح نہیں کرتا کہ اگر عیسائی مشنری اُس راہ کو اختیار کرلیں جبپر آریہ سماج خود قدم مار رہی ہے تو اس میں کونسی خرابی ہے۔ کیوں عیسائی اُس نیک کام کو اختیار نہ کریں جو آریہ سماج نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ آریہ سماج غیر مذاہب کے لوگوں سے حسد رکھتی ہے اور اُنکو نفرت اور کینہ کی نگاہ سے دیکھتی ہے اور ان موجودہ مذاہب کو نامہ نگار "موجودہ برائیوں" کے نام سے یاد کرتا ہے یہ امر دوسرے مذہب والوں کے لیئے بدقسمتی کا موجب ہے کہ "موجودہ برائیوں" یعنی موجودہ مذاہب کی تردید ایسے آدمیوں کے سپرد ہوئی ہے جنکی بے لگام زبانیں.... دیگر مذاہب کے مقدس لوگونپر بیجا حملے کرنے میں بڑی تیز ہیں۔ وہ نہایت دریدہ دہنی سے مسلمانوں مسیحیوں اور پُرانے ہندوؤں کے مقدس بزرگان دین کو گالیاں دیکر آریہ سماج کی شاباش حاصل کرتے ہیں۔ اور اُنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ بُرائی کو جڑھ سے کاٹتے ہیں دوسرے مذاہب کے لوگوں نے سماج کی خدمت میں بارہا عرض کی کہ ان دریدہ دہن بے باک پرچارکوں کو لوگوں کی دل آزاری سے روکیں لیکن سماج نے ان لوگوں کی درخواست پر کبھی توجہ نہیں کی۔ اور اُسکے پرچارک دوسرے مذاہب کے لوگوں کی دل آزاری اپنی بے لگام زبان کے ساتھ کر رہے ہیں لیکن تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان واعظین میں سے بعض نے خود سماج پر بھی حملے کرنے شروع کیئے اب سماج کو معلوم ہو گیا ہے کہ ان لوگوں کی زبان سے لوگوں کو کیسا دُکھ پہنچتا ہے اب اُسکی آنکھیں کھُل گئی ہیں اور بعض خیر خواہان سماج نے یہ شور مچایا ہے کہ

ان واعظین کو اس دشنام دہی کے پلید طریق سے روکا جائے مضمون زیر بحث کا لکھنے والا آریہ سماج کے واعظوں کی نسبت حسب ذیل رائے ظاہر کرتا ہے "دو آریہ سماج کے بعض تازہ مشکلات بعض بے باک مباحثین اور ان گھڑ معلمین کی بے سمجھی کی تحریروں کا نتیجہ ہیں اور سماج کا فرض ہے کہ وہ آئندہ ایسے ذلیل لوگوں اور ان گھڑ ہرزہ درائی کرنیوالوں کو روک سکے" یہی واعظ جنکا اوپر نقشہ کھینچا گیا ہے اب تک مسلمانوں عیسائیوں اور عام ہندوؤں کی دل آزاری کرتے رہے ہیں لیکن سماج کے کسی ممبر نے اِن اَن گھڑ مُنہ زور واعظوں کو کبھی نہیں روکا اور اُسوقت ہوش آیا جبکہ اُنکی تحریروں سے خود سماج میں ایک طوفان پیدا ہوگیا - روکنا تو کجا ان واعظین کے جاہلانہ حملے جو وہ غیر مذاہب پر کرتے تھے آریہ سماج کی طرف سے تحسین کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور جن لوگوں کے خلاف یہ حملے ہوتے تھے اُن میں کثرت سے شائع کیئے جاتے تھے آریہ سماج کی تازہ تکلیفیں باقی دنیا کے لیئے بڑی مفید ثابت ہونگی اگر اُنسے یہ نتیجہ پیدا ہو کہ آریہ سماج والے اپنے اَن گھڑ واعظوں کو آئندہ ہرزہ درائی سے روکیں ہمارے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لا یؤمن احدکم حتی یحب لاخیہ ما یحب لنفسہ - ترجمہ حدیث شریف کا یہ ہے کہ تم میں سے کوئی آدمی مسلمان کہلانیکا مستحق نہیں جب تک کہ وہ اپنے دوسرے بھائی سے وہی سلوک پسند نہ کرے جو اپنے لیئے پسند کرتا ہے یہ اصول آریہ سماج والوں کے لیئے واجب التعمیل ہے اگر وہ اپنے واعظوں کے زہریلے تیروں سے آپ بچنا چاہتے ہیں تو اُنکو چاہیئے کہ وہ اپنے واعظوں کو یہ بھی اجازت نہ دیں کہ وہ دیگر مذاہب کے لوگوں پر بیجا حملے کریں اصل میں گناہ ان ناتجربہ کار معلمین کا نہیں ہے بلکہ یہ آریہ سماج کا قصور ہے جنہوں نے موجودہ برائیوں کے دفعیہ کے لیئے ناجائز سختی کا طریق قائم کر رکھا ہے اُنکے نزدیک موجودہ برائیوں کے معنے موجودہ مذاہب ہیں اور ان برائیوں کے دفعیہ کے لیئے تلخی اور سختی کا جو دستور العمل آریہ سماج والوں نے

مقرر کر رکھا ہے اُس سے غیر مذاہب والوں کو کافی زخم پہنچ چکے ہیں۔ اس خطرناک دستور کو آریہ سماج نے اپنے بانی پنڈت دیانند سے لیا ہے۔ جونکتہ چینی پنڈت دیانند نے اسلام اور عیسائی مذہب کے متعلق کی ہے۔ اسکو ہر ایک آدمی پڑھکر کانپ اُٹھتا ہے اِن اَن گھڑ واعظین آریہ سماج نے جو حملے دیگر مذاہب پر کیئے ہیں وہ اُن حملوں سے بڑھکر نہیں جوکہ آریہ سماج کے بڑے بڑے لیڈروں نے دیگر مذاہب پر کیئے ہیں۔ کیا اس مضمون زیر بحث کا لکھنے والا بتلا سکتا ہے کہ اِن اَن گھڑ واعظین میں سے کسی نے دیانند اور لیکھرام سے بڑھکر دشنام دہی سے کام لیا ہے اور یہ ہر دو پنڈت حضرت مسیح موعودؑ کی پیشگوئی کے مطابق مرے۔ موجودہ واعظین اپنے معزز لیڈروں کے قدم بقدم چل رہے ہیں اور جب تک دیانند اور لیکھرام کی کتابیں ان لوگوں کے ہاتھ میں ہینگی تب تک آریہ سماج والے ایسے رویہ سے باز نہیں آویں گے۔ سماج کے مذکورۃ الصدر ناپاک اصول کے ساتھ قرآن کریم کے احکام کا اگر مقابلہ کیا جاوے تو معلوم ہو جاویگا کہ قرآن شریف کی تعلیم کیسی پاک اور مقدس ہے۔ اس بارہ میں قرآنی احکام مفصلہ ذیل آیتوں میں درج ہیں۔

(۱) ادع الی سبیل ربك بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ یعنی حکمت اور نیک نصیحت کے ساتھ خدا کے راستہ کی طرف لوگوں کو بلاؤ (سورۃ النحل ع ۱۶)

(۲) ولا تجادلوا اهل الکتب الا بالتی هی احسن۔ یعنی اہل کتاب کے ساتھ مباحثہ کرنے میں نہایت ہی احسن طریق اختیار کرو (سورۃ عنکبوت ع ۵)

(۳) وقل لعبادی یقولوا التی هی احسن۔ یعنی میرے بندوں سے کہو کہ وہ بات کرتے وقت نہایت ہی پسندیدہ راہ اختیار کریں (سورۃ بنی اسرائیل ع ۶)

(۴) ولا تسبوا الذین ید عون من دون اللہ۔ یعنی جو لوگ خدا کے سوا دوسرے معبودوں کو پکارتے ہیں اُنکے معبودوں کو گالیاں مت دو (سورۃ انعام ع ۱۳)

(۵) ادفع بالتی هی احسن فاذا الذی بینك و بینه عداوۃ کانه ولی حمیم۔ یعنی بُرائی کا بھلائی سے مقابلہ کرو۔ اور تم دیکھ لوگے جو پہلے تمہارا

دشمن تھا وہ پھر تمہارا سرگرم دوست بنجائیگا۔(سورہ فصلت ع ۵)

آریہ سماج کا چوتھا اصول یہ ہے کہ ہم کو سچائی کے ملنے کیلیئے اور جھوٹ کو چھوڑ دینے کے لیئے ہمیشہ تیار رہنا چاہیئے۔ اگر اس اصول کو صرف زیبائش کی خاطر نہیں لکھا گیا تو آریہ سماج والوں کو چاہیئے کہ وہ دیگر مذاہب کے ساتھ ناجائز سختی سے پیش آنے کے ناپاک دستورالعمل کو ترک کر کے قرآن کریم کی پاک تعلیم کو اختیار کریں۔ جو مذکورہ بالا آیات میں دی گئی ہے *

تصحیح

ماہ ستمبر کے پرچہ میں صفحہ ۳۳۲ سطر ۲ میں غلطی سے بجائے "قریباً ایک ہزار" کے "دس ہزار" لکھا گیا ہے۔ جنگ بدر میں کفار کی صحیح تعداد ۹۵۰ تھی اور مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳۔ ناظرین اس غلطی کو درست کر لیں *

اشاعت اسلام نمبر ۵

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات

(سلسلہ کیلیئے دیکھو گزشتہ نمبر)

قبائل عرب کے حملے مسلمانوں پر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بدر سے واپس آئے ابھی ایک ہفتہ بھی نہیں گذرا تھا کہ آپ کو جزیرہ نما عرب کے وسط سے خطرناک خبر پہنچی۔ بنی سلیم اور بنی غطفان نے جو کہ نجد کے میدان کے ایک بڑے حصہ میں آباد تھے مدینہ منورہ پر چھاپہ مارنے کا ارادہ کیا اور مقام قرقرۃ الکُدر پر جمع ہونے شروع ہوئے۔ چونکہ مسلمان سب طرف سے دشمنوں سے گھرے ہوئے تھے اسلیئے انکو ہمیشہ چوکنا رہنا پڑتا تھا۔ اور جب کبھی وہ سنتے کہ مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے بعض قبائل کسی مقام پر جمع ہو رہے ہیں تو اُن کے منتشر کرنیکے لیئے فوراً مسلمانوں کی ایک جماعت

روانہ ہوتی تاکہ وہ قبائل مدینہ پر حملہ کرنے سے پہلے ہی تتر بتر کر دیئے جائیں یہی سب سے بہتر طریق تھا جو مسلمان اُن حالات میں اختیار کر سکتے تھے اور اگر وہ ہر وقت ہوشیار اور بیدار نہ رہتے تو اُن کے دشمن اُنپر بار بار حملے کر کے اُنکو چبا ڈالتے۔ چنانچہ جب بنی سلیم اور بنی غطفان کے اجتماع کی خبر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مدینہ میں پہنچی تو آپ بذات خود ۲۰۰ آدمی ہمراہ لیکر اس مجمع کو منتشر کرنیکے لیئے روانہ ہوئے دشمن کو جب آپکے آنیکی خبر لگی تو وہ آپکے پہنچنے سے پہلے ہی تتر بتر ہو گئے [۵۱]

اس کے بعد جلدی ہی مکہ کے سردار ابوسفیان نے مدینہ پر چھاپہ مارا۔ جب بدر میں قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو اُنکے بعد ابوسفیان نے قریش کی جرنیلی اختیار کی۔ جب قریش کے لشکر کو بدر میں شکست فاش حاصل ہوئی تو اسپر ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر حملہ نہ کر لونگا غسل جنابت نہ کرونگا۔ جب بدر کے قیدی رہا ہو کر آگئے تو ابوسفیان نے اپنی قسم کو پورا کرنیکے لیئے ۲۰۰ آدمیوں کو ہمراہ لیا اور مدینہ پر چھاپہ مارنیکے لیئے نجد کے راستہ سے مدینہ کی طرف روانہ ہوا۔ رات کے وقت یہود کی ایک آبادی میں پہنچا۔ قبیلہ بنو نضیر کے ایک سردار سلام بن مشکم نے اُس میثاق کے برخلاف جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ پہنچنے کے بعد یہود کے قبائل سے لیا تھا۔ ابوسفیان کو جگہ دی اور ابوسفیان نے اور اُسکے ساتھیوں نے خوب دعوت اُڑائی۔ یہودی نے مدینہ کے حالات کے متعلق ابوسفیان کے پاس مخبری کی۔ اُسکے ساتھیوں نے صبح ہونے سے پہلے مدینہ کی کھجوروں کو جلا دیا اور دو آدمیوں کو قتل بھی کر دیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپنے ابوسفیان کا تعاقب کیا مگر وہ نکل گیا۔ اس غزوہ کو غزوۃ السویق کہتے ہیں کیونکہ ابوسفیان کے ہمراہی بھاگتے وقت اپنے کھانے کے ستو چھوڑ گئے تھے [۵۲]

---

[۵۱] ابن ہشام ذکر غزوہ بنی سلیم بالکدر۔

[۵۲] ابن ہشام۔ ذکر غزوۃ السویق۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ابو سفیان کے تعاقب سے واپس آکر چند روز ہی
مدینہ میں قیام فرمایا تھا کہ آپ کو پھر خبر پہنچی کہ بنی ثعلبہ بن سعد بن قیس بن غطفان اور
بنی محارب نجد میں مدینہ پر شبخون مارنے کی غرض سے جمع ہو رہے ہیں اور دعثور انکا
سرغنہ ہے۔ آپ فوراً ۴۵۰ آدمی ہمراہ لیکر نجد کی طرف روانہ ہوئے اور آپکی آمد کی
خبر سنکر دشمن کی جمعیت منتشر ہوگئی اور کوئی لڑائی نہ ہوئی۔ اس غزوہ کا نام غزوہ
ذی امر اور غزوہ انمار ہے [1]

جب غزوہ انمار سے آپ واپس تشریف لائے تو پھر آپ کو خبر پہنچی کہ بنی سلیم کا
ارادہ مدینہ پر چھاپہ مارنے کا ہے اسلیئے آپ کو پھر دشمن کے منتشر کرنیکے لیئے
کوچ کرنا پڑا۔ اسوقت آپکے ہمراہ ۳۰۰ صحابی تھے۔ اسکو غزوہ بحران اور غزوہ
بنی سلیم بھی کہتے ہیں [2]

بنی سلیم اور بنی غطفان کے بار بار مدینہ پر شبخون مارنے کیلیئے جمع ہونا صاف
ظاہر کرتا ہے کہ یہ بیابان کے زبردست قبائل اسلام کے ایسے ہی سخت دشمن تھے
جیسا کہ قریش۔ مسلمانوں کی حالت کا اندازہ لگاؤ۔ انکو صرف اپنے پرانے اور خونی
دشمنوں یعنی قریش کے حملوں سے ہی اپنا بچاؤ نہیں کرنا پڑتا تھا بلکہ عرب کے اور بہت
سے زبردست قبائل تھے جو اُن کے خون کے ایسے ہی پیاسے تھے جیسا کہ
قریش اور مسلمانوں کو انکے چھاپوں اور حملوں سے بھی اپنے تئیں بچانا پڑتا تھا۔
بدر سے واپس آنیکے بعد چند مہینوں کے اندر آپ کو بذات خود تین مرتبہ بنی غطفان
اور بنی سلیم کے زبردست اور وحشی قبائل کو اُنکے بد ارادوں سے روکنے
کے لیئے نجد کیطرف کوچ کرنا پڑا۔ اگر خدائے تعالیٰ کی نصرت مسلمانوں کے
شامل حال نہ ہوتی اور اگر مسلمان ہر وقت خبردار اور ہوشیار نہ رہتے اور
دشمنوں کی جمعیت کو چھاپہ مارنے سے پیشتر ہی منتشر کرنے میں چستی سے

[1] زرقانی علی المواہب اللدنیہ جزو ثانی صفحہ ۱۷۔
[2] زرقانی جزو ثانی صفحہ ۱۹۔

کام نہ لیتے تو اُن کے دشمن جو ہر طرف سے اُنپر منڈلا رہے تھے اُنکو نابود کر دینے میں کچھ کمی نہ کرتے۔ اگر جیساکہ مسیحی صاحبان چاہتے ہیں مسلمان خاموش ہو کر مدینہ میں بیٹھ رہتے اور اپنے بچاؤ کیلیئے اپنے ہاتھ پاؤں نہ ہلاتے اور دشمنوں کے آگے اپنے تئیں ایک بے جان نشانہ کی طرح پیش کر دیتے دشمن اُنکو لوٹتے قتل کرتے اور اُنکے بچے اور اُنکی عورتیں قید کر کے لیجاتے مگر مسلمان ہاتھ نہ ہلاتے اور خاموشی سے سب کچھ سہتے رہتے بلکہ عیسائی تعلیم کے بموجب اپنی دوسری گال بھی دشمن کے آگے پیش کر دیتے تو چند دنوں میں اسلام کا خاتمہ ہو جاتا اور جلدی ہی سارا سلسلہ درہم برہم ہو جاتا مسیحی لوگ اعتراض تو بڑی جلدی سے کر دیتے ہیں مگر مسلمانوں کے حالات کا مطالعہ نہیں کرتے۔ اور نہیں دیکھتے کہ وہ کس قسم کے لوگ تھے جن سے مسلمانوں کو واسطہ پڑا اور اُنکے ظلم سے بچنے کیلیئے کونسی راہ تھی جو مسلمان اختیار کر سکتے تھے۔

خود مدینہ اور اُسکے گرد و نواح کی حالت بھی مسلمانوں کے لیئے کسی اطمینان کا موجب نہ تھی بلکہ اُنکے مشکلات کو اور بھی بڑھانے کا موجب ہو رہی تھی۔ صرف یہی نہیں تھا کہ مسلمانوں کا بیرونی دشمنوں نے احاطہ کیا ہوا تھا بلکہ خود مدینہ اور اُسکے مضافات میں ایسے لوگ موجود تھے جو مسلمانوں کے جانی دشمن تھے اور یہ اندرونی دشمن بیرونی دشمنوں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ اندرونی دشمنوں میں ایک تو منافقین کا گروہ تھا جو مسلمانوں کو حسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا ان کا سردار عبد اللہ ابن ابی تھا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی وجہ سے مدینہ کا بادشاہ بنتے بنتے رہ گیا تھا۔ کیونکہ مدینہ والوں نے بالاتفاق یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ عبد اللہ ابن ابی کے سر پر تاج رکھکر اُسکو اپنا بادشاہ بنالیں مگر اسلام کے داخل ہونیکی وجہ سے یہ تجویز عمل میں نہ آسکی۔ اسلیئے طبعًا عبد اللہ ابن ابی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بغض تھا اور اسکے ساتھ اوّل اوّل ایک خاصی جماعت منافقین کی تھی جنہوں نے بظاہر اسلام

قبول کر لیا تھا مگر دل میں مسلمانوں کے دشمن تھے اور یہ چھپے دشمن ظاہری دشمنوں سے زیادہ خطرناک تھے۔ دوسرے اندرونی دشمن مدینہ اور اسکے قرب وجوار کے یہودی قبائل تھے ان کو بھی مسلمانوں سے سخت بغض تھا کیونکہ یہ لوگ انبیاء اور صلحاء سے دشمنی رکھنے کے عادی تھے انہوں نے بھی بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امن کا معاہدہ کر لیا تھا مگر دراصل مسلمانوں کے جانی دشمن تھے۔ اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صرف قریش اور قبائل عرب کے حملوں اور شبخونوں کا ہی فکر نہ تھا بلکہ ان اندرونی دشمنوں کیطرف سے بھی انکو ہر وقت خطرہ رہتا تھا اور انکی عداوت کے بدنتائج سے بچنے کے لیئے بھی آپکو ایسی ہی تدبیر کرنی پڑتی تھی جیسا کہ بیرونی دشمنوں کے حملوں سے بچنے کیلیئے آپ کو تدبیر کرنی پڑتی تھی۔ جو معاملات یہود کے قبائل سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش آئے اُن کو مَیں انشاء اللہ تعالےٰ ایک الگ مضمون میں بیان کروں گا اسجگہ صرف اُنکی عداوت کا اور منافقین کی پوشیدہ دشمنی کا ذکر اسلیئے کیا ہے تا ناظرین کو معلوم ہو کہ مدنی زندگی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کسقدر مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ مکہ معظمہ میں تو صرف قریش ہی اسلام کے دشمن تھے اور اُسجگہ آپ کی قوم بنو ہاشم آپکے حامی بھی تھے مگر مدینہ میں آکر جو ایک اجنبی شہر تھا اور جہاں کوئی ایسی قوم نہ تھی جو قرابت کی وجہ سے آپکے ساتھ ہمدردی کرنیوالی ہو آپ کو دس مختلف اور زبردست قوموں سے مقابلہ کرنا پڑا۔

اوّل۔ قریش جو پیشتر کی نسبت اسلام کے مٹانیکے لیئے زیادہ جان توڑ کوششیں کر رہے تھے

دوم و سوم۔ اوس و خزرج۔ یہ مدینہ کے دو قبائل تھے جو اسلام کی آمد سے پہلے باہم سخت جانی دشمن تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو انکی باہمی عداوت کا فکر رہتا تھا چنانچہ آپ کی آمد کے بعد بھی اوس اور خزرج کے قبیلوں کے مسلمانوں میں یہود کے اکسانے سے لڑائی ہو چلی تھی مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوگئی آپ جھٹ تشریف لائے آپ کو دیکھکر اور آپ کی دردانگیز نصیحت کو سنکر وہ رو پڑے اور بجائے اسکے کہ ایک دوسرے کو تلواروں سے کاٹیں ایک دوسرے کے گلے لگ گئے۔ انکے تعلقات یہود کے ساتھ تھے اور یہود انکو طرح طرح کی تدبیروں سے اکساتے تھے منافقین کی جماعت

بھی انہی میں سے تھی جو اسلام سے پوشیدہ دشمنی رکھتے تھے اور یہود سے دوستانہ تعلقات رکھتے تھے (۴) بنی قینقاع (۵) بنی نضیر (۶) بنی قریظہ (یہ تینوں یہود کے قبیلے تھے) (۷) عرب کے عیسائی (۸) بنی غطفان۔ بنی سلیم اور عرب کے دیگر مشرک قبائل (۹) سلطنت ایران (۱۰) سلطنت روم۔ ان سب کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ اپنے اپنے موقعہ پر آئیگا۔

مسٹر آرنلڈ مصنف کتاب پریچنگ آف اسلام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "اگر یہ اعتراض کیا جاوے کہ یہ امر ایک نبی کے مشن کے برخلاف ہے کہ وہ جنگ کے معاملات میں دخل دے، تو اسکے متعلق یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس نبی کی تعلیم میں یہ بات داخل نہ تھی کہ "میری بادشاہت اس دنیا کی نہیں ہے"" مسٹر آرنلڈ کے اس بیان میں ایک باریک شرارت مخفی ہے۔ اس بیان سے یہ پایا جاتا ہے کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تو ایسا کر سکتے تھے کہ جنگ سے کوئی سروکار نہ رکھتے گویا آپکے اختیار میں تھا خواہ جنگ کرتے یا نہ کرتے مگر آپنے اپنے اختیار سے جنگ کی راہ اختیار کی۔ اس امر کو دیکھکر دل کو سخت دکھ پہنچتا ہے کہ مسیحی نکتہ چین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات کے سمجھنے کے لیئے کوئی کوشش نہیں کرتے۔ ایک سرسری نظر سے بھی دیکھنے والا یہ امر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ عرب کا قریباً کل جزیرہ نما اسلام کی مخالفت پر ایسا تُلا ہوا تھا کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی چھوٹی سی جماعت کی حفاظت کیلیئے کوئی تدبیر نہ کرتے تو دشمن اسلام کو بیخ و بن سے اکھیڑ دیتے۔ کیا مسیحی صاحبان کا یہ منشاء ہے کہ مسلمان اپنے خونی دشمنوں کو یہ اجازت دیتے کہ وہ مدینہ کی گلیوں میں بکروں کی طرح انکو ذبح کر دیتے۔ آئے دن جو دشمن مدینہ پر چھاپہ اور شبخون مارنیکی تیاریاں کرتے تھے کیا مسلمان انکے روکنے کیلیئے کوئی تدبیر نہ کرتے۔ کیا یہ بات صحیح نہیں ہے کہ جب دشمنوں کو موقع ملتا تو وہ مسلمانوں کی جماعتوں کی جماعتیں ذبح کر دیتے اور ایک کو بھی زندہ نہ چھوڑتے؟ چنانچہ ایک موقعہ پر ۷۰ مسلمان بلا گناہ شہید کیئے گئے۔ کیا مسلمان ایسے قتل عام پر خاموش بیٹھے رہتے اور آئندہ

ایسے جانکاہ حادثوں کے انسداد کیلئے ظالم قاتلوں کی سرکوبی نہ کرتے؟ کیا عرب کے خونخوار بھیڑیوں کے درمیان ایک بے دست و پا بھیڑ کی طرح رہ کر وہ زندہ رہ سکتے تھے؟ مثال کے طور پر دیکھو۔ مسلمانوں نے بنو سلیم اور بنو غطفان کو ذرہ بھی دُکھ نہیں دیا تھا اور کسی قسم کی مضرت مسلمانوں کی طرف سے ان وادیوں اور بیابانوں کے رہنے والوں کو نہیں پہنچی تھی۔ پھر بھی وہ بار بار مدینہ پر چھاپے اور شبخوں مارنیکے لیئے تیار ہو جاتے۔ اب ایسی حالت میں مسلمانوں کیلئے سوائے اسکے اور کیا چارہ تھا کہ وہ ان جنگل کے درندوں سے اپنے آپ کو بچائیں اور حتی الوسع کوشش کریں کہ یہ وحشی قومیں مسلمانوں پر حملہ آوری کرنیسے روکی جائیں۔ جب یہ قومیں خود بخود چڑھ کر آتی تھیں تو مسلمانوں کے لیئے سوائے اسکے کیا چارہ تھا کہ وہ بھی اپنی حفاظت کے لیئے ہتھیار اُٹھاتے۔ اگر مسلمان اپنے بچاؤ کی تدبیر نہ کرتے اور بیجا حملہ آوروں کے مقابلہ کیلئے مستعدی ظاہر نہ کرتے تو نہ صرف بنی سلیم اور بنی غطفان ہی مسلمانوں کو قتل کرتے اور اُنکے کھیتوں کو غارت کرتے اور اُنکے مویشی اور اونٹوں کو لوٹ لیجاتے اور اُن کے مردوں۔ عورتوں اور بچوں کو قید کر کے غلام بناتے بلکہ اور بیابانی قومیں بھی دلیر ہو کر حملہ آور ہوتیں اور مسلمان اپنے دشمنوں کی خونخواری اور غارتگری کا شکار ہو جاتے۔ افسوس ہے کہ معترض یہ نہیں دیکھتے کہ عرب کے ملک میں اُس زمانہ بے امنی میں سلامتی کے ساتھ زندگی بسر کرنیکا یہی طریقہ تھا کہ ہر ایک قوم اپنی اپنی حفاظت کا سامان مہیا کرتی۔ اپنے بچاؤ کیلئے بعض قبیلے دوسرے قبیلوں کے ساتھ ملجاتے تا دشمنوں کے مقابلہ کے قابل ہو جاویں اور تعدی کرنیوالوں سے انتقام لے سکیں۔ اگر معترضین اُس زمانہ کے حالات پر غور کرتے تو کبھی اعتراض نہ کرتے کہ مسلمانوں نے کیوں ہتھیار اُٹھائے وہ اپنے مسیح پر قیاس کرتے ہیں جو ایک مہذب سلطنت کے زیر سایہ زندگی بسر کرتا تھا مگر پھر بھی اپنے کمزور دشمنوں سے جو اُسکا باختیار خود کچھ بھی بگاڑ نہیں سکتے تھے چھپتا پھرتا تھا اور عدالتوں میں لیجانیکے واسطے بھی یہودیوں کو اُسے باغوں میں سے ڈھونڈ ڈھونڈ کر نکالنا پڑتا تھا۔ مجھے یہ سمجھ نہیں آتا کہ اپنی جان۔ مال اور اپنے بیوی بچوں کی

حفاظت کے لیئے اور دشمن کے پنجے سے اُنہیں بچانیکے لیئے کوئی تدبیر کرنا کس نبی کی تعلیم کے برخلاف ہے؟ کیا خود مسیحؑ نے اپنے شاگردوں کو یہ حکم نہ دیا تھا کہ تم اپنے کپڑوں کو بھی بیچکر ہتھیار خریدو؟ حالانکہ کسی نے اُسکے برخلاف تلوار نہیں اُٹھائی تھی۔ اگر کچھ کیا تھا تو باضابطہ عدالت میں اُسکے برخلاف کارروائی کی تھی۔ اُسکا تلوار اُٹھانیکے لیئے حکم دینا سوائے اسکے اور کوئی وجہ نہیں رکھتا تھا کہ داؤد کے کھوئے ہوئے تخت کو دوبارہ حاصل کرے مگر جب اُس نے دیکھا کہ اُسکے شاگرد اس کام کی قابلیت نہیں رکھتے تو اُسکی ساری اُمیدیں خاک میں مل گئیں۔ اور اُسکی کمر ٹوٹ گئی پھر آسمانی بادشاہت کا شہزادہ ہونیکا دعویٰ کیا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بدر کے مقام پر یہ دعا کرنا کہ اللّٰھم ان اھلکت ھٰذہ العصابۃ فلا تعبد فی الارض (یعنی اے اللہ اگر تو نے اس جماعت کو ہلاک کردیا تو پھر دنیا میں تیری عبادت کرنیوالا کوئی نہ ہوگا زاد المعاد ابن قیم) صاف بتلا رہا ہے کہ آپ اپنی جماعت کی حفاظت کے لیئے جسکی زندگی پر اسلام کی زندگی کا مدار تھا دشمن سے لڑے کیونکہ دشمن نے خود پیشدستی کی اور آپ کی جماعت کو نابود کردینے پر کمربستہ ہوگیا۔ غرض آپنے مجبور ہوکر تلوار اُٹھائی اور ایسے کرنیکے سوا آپکے لیئے اور کوئی چارہ نہ تھا۔

غطفانیوں کے حملے میں جسکا اوپر ذکر ہوچکا ہے ایک عجیب واقعہ لکھا ہے جس سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال رحم اور کرم ثابت ہوتا ہے۔ اِس غزوہ میں مینہ برسا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھیگ گئے آپنے اُتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے اور آپ اُس درخت کے نیچے سایہ میں لیٹ گئے لوگ بھی متفرق طور پر درختوں کے نیچے لیٹے ہوئے تھے۔ وعثور جو غطفانیوں کا سرغنہ تھا آپ کو لشکر سے الگ اُس درخت کے نیچے تنہا لیٹا ہوا پاکر آپ کی طرف آیا اور آپ کی ہی تلوار جو درخت پر لٹک رہی تھی کھینچکر اور آپکے سر پر کھڑا ہوکر پکار کر کہا من یمنعک منی الیوم۔ آج کون تجھے مجھ سے بچا سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا اللہ اس جواب پر

اُسپر اسقدر رُعب پڑا کہ تلوار اُسکے ہاتھ سے گر پڑی۔ آپنے وہی تلوار اُٹھا کر للکار کر کہا کہ بتا اب تجھے کون بچا سکتا ہے۔ اُسنے کہا کوئی نہیں آپنے اُسے معاف کر دیا اور فرمایا مَیں رحم کرنیکے لیئے آیا ہوں قتل کرنیکے لیئے نہیں۔ آپکے اس کمال رحم کو دیکھکر اور اسکے مقابل میں اپنی عداوت کو سوچکر اُسنے اُسی جگہ اسلام قبول کیا۔ آپنے اپنے صحابہؓ کو بلایا جو متفرق طور پر مختلف درختوں کے نیچے سوئے پڑے تھے جب وہ آئے تو اُس اعرابی کو آپکے پاس بیٹھا ہوا دیکھکر حیران ہوئے اور آپنے سارا واقعہ بیان کیا۔ (صحیح بخاری۔ جزو ثالث۔ کتاب المغازی صفحہ ۲۳) واقدی اور ابن سعد کے قول کے بموجب اسی غطفانی حملے کے بارے میں مندرجہ ذیل آیت اُتری۔ یا ایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذ ھمّ قومٌ ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکفّ ایدیھم عنکم (سورہ مائدہ پارہ ۶ رکوع ۲-) (ترجمہ) اے ایمان والو! اللہ کی نعمت کو جو تمپر ہے یاد کرو جب ایک قوم نے تمپر دست درازی کرنی چاہی۔ پھر اُنکے ہاتھوں کو تم سے ہٹا رکھا۔

وعثور کے واقعہ سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ کمال درجے کے رحیم و کریم تھے۔ اور یہ اگر آپنے کفار سے جنگ کی تو مجبور ہو کر کی جب آپنے دشمن پر قابو پایا ایسے دشمن پر جو آپکو قتل کر دینا چاہتا تھا تو آپنے اُسکو اپنے کامل رحم سے معاف فرما دیا پس آپ کا ارادہ جنگ سے کفار کو قتل کرنا یا اُن کا مال لوٹنا معاذ اللہ نہ تھا جس طرح آپنے اس موقعہ پر وعثور کے قصور کو معاف فرما دیا ایسا ہی آپنے فتح مکہ پر تمام خونی دشمنوں کے قصور معاف فرما دیئے ایک منصف انسان صرف اسی امر سے اندازہ لگا سکتا ہے کہ آپ کی لڑائیاں کسی جبر و اکراہ کیلیئے نہ تھیں آپ کی فطرت پر رحم غالب تھا۔ ایسے رحیم و کریم سے یہ بعید ہے کہ خود بخود لوگوں کے ساتھ اُنکو قتل کرنے اور لوٹنے کی غرض سے لڑائی چھیڑ دے ورنہ قدرت پانے پر اپنے دشمنوں کو آپ کیوں چھوڑ دیتے؟

مَیں گذشتہ نمبر میں میور کی شہادت اس امر کی نقل کر چکا ہوں کہ قریش کے قافلوں نے جب شام کا تجارتی راستہ جو مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا چھوڑ دیا اور

نجد کے راستے اپنے قافلوں کو بھیجنا شروع کیا تو اُن قافلوں نے بنی سلیم و بنی غطفان اور دیگر بیابانی قوموں کو اُکسانا شروع کیا اور یہ زیادہ تر اُنہی کے اُکسانے اور اُنہی کے نمونہ کا نتیجہ تھا کہ بنی غطفان و بنی سلیم کے قبائل نے مسلمانوں پر شبخون کرنیکے ارادہ سے بار بار اپنی جمعیت کو اکٹھا کرنا شروع کیا اور اس طرح مسلمانوں کو مجبور کیا کہ وہ انکی جماعتوں کو منتشر کرنیکے لیئے بار بار کوچ کریں مگر جب یہ قبائل بھاگ جاتے تھے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کا تعاقب نہیں کرتے تھے بلکہ انکا منتشر کر دینا ہی کافی سمجھکر واپس مدینہ تشریف لاتے تھے۔ غرض جو کچھ بنو سلیم و بنو غطفان وغیرہم کی وجہ سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچی یہ زیادہ تر کی قافلوں کی شرارت کا نتیجہ تھا۔ اور اگر یہ سلسلہ اسی طرح جاری رہتا تو خطرہ تھا کہ مخالفت کی آگ مکہ کے قافلے دوسرے قبائل میں بھی بھڑکا دینگے غرض یہ نہایت ضروری تھا کہ ان قافلوں کی شر سے بچنے کیلئے حتی الوسع انکی آمد و رفت کو روکا جاتا جو تجارتی راستہ مدینہ سے مغرب کی طرف واقع تھا۔ اُس راستہ پر تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تشریف لیجا کر اُدھر کے بہت سے قبائل سے امن کے معاہدے کرلیئے تھے مگر اس نئے راستے پر جو قومیں آباد تھیں غارت گری اُنکا پیشہ تھا اسلیئے یہ امن کے معاہدوں کو نہیں جانتے تھے اور اِدھر مکہ کے قافلوں کی شر کا سخت خطرہ تھا بلکہ اُس کا نتیجہ بھی مسلمان دیکھ رہے تھے اسلیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شر کا انسداد کرنیکے لیئے۔ ان قافلوں میں سے بعض کو روکنے کی تدبیر کی۔ اور جب تک ان نام کے قافلوں کو روکا نہ جاتا امن کا حاصل ہونا محال تھا۔ اسلیئے جب آپ کو ایک قافلہ کے گذرنیکی خبر پہنچی (جسکا سردار وہی ابو سفیان بن حرب تھا جس نے ۲۰۰ آدمیوں کو ساتھ لیکر مدینہ پر شبخون مارا تھا کھجوروں کو آگ لگا دی تھی اور دو آدمی قتل کر دیئے تھے) تو آپنے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ کے ماتحت ایک جماعت بھیجی جسنے قافلہ پر مقام قردہ پر حملہ کرکے اُسکو مغلوب کیا اور یہ قریش کا پہلا قافلہ تھا جسکو مسلمانوں نے روکا (ابن ہشام ذکر سریہ زید بن حارثہ) میور جسکو دشمنانِ اسلام کے ساتھ خاص ہمدردی ہے شکایت کرتا ہے کہ

مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کی آمد و رفت کو روک کر بچارے قریش کا قافیہ تنگ کر دیا۔ مسیحی معترض اُن تکالیف کو نہیں دیکھتے جو قریش اور دیگر دشمنانِ اسلام مسلمانوں پر وارد کرتے تھے۔ اسلام کے دشمن مسلمانوں کو خواہ کتنا ہی دُکھ دیں اور اُنپر خواہ کتنا ہی ظلم کریں۔ مسیحی معترض اُنکے فعل کی بُرائی ظاہر کرنیکے لیئے ایک سطر بھی نہیں لکھ سکتے۔ لیکن اگر مسلمان دشمن کو ظلم و تعدّی سے روکنے کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں تو یکلخت کُل مسیحی صاحبان شور برپا کر دیتے ہیں کہ دیکھو ظلم ہوگیا ظلم ہوگیا! اُنکے نزدیک کفار عرب کے لیئے تو مسلمانوں پر ہر ایک قسم کا ظلم کرنا جائز تھا مگر مسلمانوں کو کوئی حق نہیں پہنچتا تھا کہ وہ دشمن کو ظلم سے روکنے کیلیئے بھی ہاتھ اُٹھائیں۔

میور خود اپنی کتاب کے صفحہ ۲۳۶ و ۲۳۷ پر اس امر کی شہادت دیتا ہے کہ جب قریش کے قافلوں نے نجد میں سے گذرنا شروع کیا تو اُنہوں نے راستہ کے قبائل کو مسلمانوں کے برخلاف اُکسانا شروع کیا جسکا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی سلیم و بنی غطفان مسلمانوں کی مال و جان کے دشمن ہو گئے۔ مگر قریش کے قافلوں کی اس شر کو مان کر بھی میور واویلا کرتا ہے کہ دیکھو مسلمانوں نے قریش کے قافلوں کو بھی لُوٹنا شروع کر دیا۔ تعجب ہے کہ مسیحی لوگوں کو قریش کے ساتھ اسقدر ہمدردی کہاں سے پیدا ہوگئی جسکی وجہ سے اُنکو قریش پر اسقدر رحم آتا ہے مگر مسلمانوں پر اُنکو کوئی رحم نہیں آتا اور اُنکے مشکلات کو دیکھکر اُنکے دلمیں کوئی ہمدردی پیدا نہیں ہوتی۔

ایک راستی پسند آدمی آسانی سے دیکھ سکتا ہے کہ ان قافلوں کی آمد و رفت کو روکنا مسلمانوں کیلیئے صرف جائز ہی نہ تھا بلکہ ضروری تھا۔ کیونکہ اوّل تو یہ قافلے ملک میں مسلمانوں کے برخلاف عداوت کی آگ بھڑکاتے تھے اور وحشی قوموں کو اُکساتے تھے کہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوں اور چونکہ اُنکا رسوخ ملک میں بہت بڑھا ہوا تھا اسلیئے وہ آسانی سے قوموں کو مسلمانوں کے برخلاف بھڑکا سکتے تھے۔

دوم ان قافلوں کے ذریعہ مکّہ والے مسلمانوں کے ساتھ لڑنے کیلیئے سامانِ جنگ منگواتے۔ چنانچہ جو قافلہ جنگ بدر کے موقعہ پر شام سے ابوسفیان کے ساتھ آرہا تھا

وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنیکے واسطے سامان جنگ لا رہا تھا۔ چنانچہ جب یہ قافلہ مکہ میں پہنچا تو اس کا سامان لوگوں میں تقسیم نہیں کیا گیا تھا بلکہ دار الندوہ میں رکھا گیا تھا اور جب دوسرے سال قریش کے لشکر نے مدینہ پر چڑھائی کی اور اُحد کے مقام پر مسلمانوں سے مقابلہ ہوا اُسوقت اُسی سامان قافلہ کے ذریعہ لشکر کو مسلح کیا گیا۔ پس اس لحاظ سے بھی ضروری تھا کہ ان قافلوں کو روکا جاتا تا اُنکی مدد سے دشمن مسلح ہوکر مسلمانوں پر حملہ آور نہ ہو۔

سوم۔ قریش مسلمانوں سے جنگ چھیڑ چکے تھے اور جیسا کہ قرآن شریف شہادت دیتا ہے ابتداء قریش کی طرف سے ہوئی تھی (وَهُم بَدَءُوكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ۔ سورہ توبہ ۲) اسلیئے مسلمانوں کیلیئے ضروری تھا کہ ہر طرح دشمن کی قوت اور طاقت کو توڑیں اگر جیسا کہ میور لکھتا ہے قافلوں کی آمد و رفت کے روکنے سے مکہ والوں کا قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو کونسی چیز اُنکو مسلمانوں کے ساتھ مصالحت کرنیسے روکتی تھی۔ اگر قافیہ تنگ ہو گیا تھا تو اُنکو اختیار تھا کہ مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے سے باز آجاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے صلح کر لیتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت صلح کے لیئے تیار رہتے اور آپ کا منشا ہی یہ تھا کہ امن قائم ہو جاوے۔ چنانچہ جب حدیبیہ کے موقعہ پر دشمن نے صلح کرنی چاہی تو اگرچہ شرائط صلح بظاہر مسلمانوں کیلیئے موجب ہتک تھے اور سب مسلمان ایسی شرائط پر صلح کرنیکے مخالف تھے پھر بھی آپنے بڑی خوشی سے قریش سے صلح کر لی اور صحابہؓ کی ناراضگی کی بھی کچھ پرواہ نہ کی۔ آپ دشمنوں کے ساتھ صلح کرنیکے لیئے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ اور خدائے تعالیٰ کا بھی یہی حکم تھا کہ اگر دشمن تجھ سے صلح کرنا چاہیں تو اُنسے صلح کرلے اور اُنکے گذشتہ ظلموں کو بھی معاف کر دے۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَإِن جَنَحُوا لِلسَّلْمِ فَاجْنَحْ لَهَا وَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ ۚ إِنَّهُ هُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ○ وَإِن يُرِيدُوا أَن يَخْدَعُوكَ فَإِنَّ حَسْبَكَ اللَّهُ ۚ (انفال ۸) یعنی اگر (تیرے دشمن) صلح کیطرف جھکیں تو تو بھی صلح کی طرف جھک اور خدائے تعالیٰ پر بھروسہ کر (یعنی اس امر کی پروا

نہ کرکہ شاید یہ صلح کرکے دھوکہ دینا چاہتے ہیں۔ خواہ انکی نیت کیسی ہو تو بہرحال انکے ساتھ صلح کرلے) تحقیق خدائے تعالیٰ سُننے والا اور جاننے والا ہے (یعنی تیرا خدا انکی نیتوں کو جانتا ہے) اور اگر وہ تجھے (صلح کرکے) دھوکہ دینا چاہیں تو تیرا خدا تیرے لیئے کافی ہے۔ جنگ بدر کے بعد خدائے تعالیٰ نے فرمایا اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا فَقَدْ جَآءَكُمُ الْفَتْحُ وَاِنْ تَنْتَهُوْا فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَعُوْدُوْا نَعُدْ وَلَنْ تُغْنِيَ عَنْكُمْ فِئَتُكُمْ شَيْئًا وَّلَوْ كَثُرَتْ وَاَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ (انفال-۲) یعنی (اے کفار) اگر تم فتح مانگتے تھے پس تحقیق فتح تو تمھارے پاس آگئی ہے (بدر کی فتح) اور (اب بھی) اگر باز آجاؤ (اور مسلمانوں سے لڑائی چھوڑ دو) تو تمھارے لیئے بہتر ہے اور اگر تم (لڑائی کی طرف) لوٹوگے تو ہم بھی لوٹیں گے اور تمھاری جماعت تمھیں کچھ بھی فائدہ نہ دیگی خواہ وہ (مسلمانوں کی نسبت) بہت ہی زیادہ ہو اور یہ کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ دیکھو بدر کے بعد بھی قریش کو موقعہ دیا کہ اب بھی وقت ہے صلح کرلو۔ اپنی کثرت کا گھمنڈ نہ کرو۔ خدائے تعالیٰ مومنوں کی مدد کریگا اور تمھیں ذلیل کرے گا۔ بہتر ہے کہ اب بھی صلح کرلو۔ اِنْ تَسْتَفْتِحُوْا (اگر تم فتح مانگتے تھے) یہ الفاظ ابوجہل کے اُس مباہلہ کو یاد دلاتے ہیں جو اُس نے بدر کے موقعہ پر کیا تھا۔ اُسکے مباہلہ کے الفاظ یہ ہیں۔ اللّٰھم من کان منا افسد فی القوم واقطع للرحم فاحنه الیوم۔ اے اللہ ہم دونوں میں سے جس نے قوم میں بگاڑ ڈالا ہے اور قطع رحمی کا باعث ہوا ہے اُسکو آج تباہ کردے۔ (ابن ہشام) چنانچہ اس مباہلہ کے بموجب وہ خود بھی اُسی دن ذلت کے ساتھ مارا گیا اور اُسکا لشکر بھی تباہ ہوا۔ غرض اگر مسلمانوں نے قریش کے قافلہ کو روکا تو میور مسلمانوں کو کیوں ملامت کرتا ہے۔ کیا وجہ ہے کہ وہ قریش کو ملامت نہیں کرتا کہ وہ خود جنگ کو جاری رکھتے تھے اور صلح کی طرف نہیں جھکتے تھے۔٭

غزوہ اُحد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عرب کے قبائل کے حملوں کو روکنے اور شہر مدینہ کی حفاظت کی تدابیر میں مصروف تھے۔ قریش مدینہ پر دوبارہ چڑھائی کرنے کی تیاریاں کررہے تھے۔ عرب کے قبائل کی طرف قاصد بھیجے گئے اور اُنکو بھی اس آنیوالے

٭ اس قافلہ کا سردار ابوسفیان تھا جو اس سے پہلے ۲۰۰ آدمیوں کے ساتھ مدینہ پر شبخون مار چکا تھا اور دو آدمیوں کو قتل کرکے اور کھجوروں کو جلا کر بھاگ گیا تھا منہ

حملے میں شریک ہونیکے لیئے اکسایا گیا۔ ابوسفیان کے قافلہ کا سامان جو دارالندوہ میں
اسی غرض کیلیئے رکھا گیا تھا اسکے ذریعہ فوج کے لیئے رسد اور ہتھیار مہیا کیئے گئے۔
اسی مال کی طرف قرآن شریف کی مندرجہ ذیل آیت میں اشارہ ہے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ لِيَصُدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَسَيُنْفِقُوْنَهَا ثُمَّ تَكُوْنُ
عَلَيْهِمْ حَسْرَةً ثُمَّ يُغْلَبُوْنَ (انفال ۴) یعنی یقیناً جو لوگ کافر ہیں اپنے مالوں کو خرچ کرتے
ہیں تاکہ (لوگوں کو) خدا کی راہ سے روکیں۔ سو ابھی اور خرچ کرینگے پھر (وہ مال) اُن
کے لیئے حسرت اور افسوس کا موجب ہوگا پھر وہ مغلوب کیئے جائیں گے (انفال ۴)
اس طرح جنگ بدر سے ایک سال بعد تین ہزار آدمیوں کا لشکر مدینہ پر حملہ کرنیکے لیئے روانہ ہوا
جنمیں ۷۰۰ زرہ پوش اور ۲۰۰ سوار تھے ابوسفیان اس لشکر کا سردار تھا۔ قریش کے
ساتھ بنی تہامہ اور بنی کنانہ بھی شریک ہو گئے تھے۔ فوج کے ہمراہ قریش کی عورتیں
بھی تھیں جن میں سب سے زیادہ جوشیلی ہندہ ابوسفیان کی بیوی تھی۔ یہ عورتیں لڑائی
کے گیت گا کر سپاہیوں میں جوش پیدا کرتی تھیں۔ فوج کے ہمراہ مدینہ والوں کی
بھی ایک جماعت تھی جنکا سردار ابو عامر راہب تھا۔ جب اس آنیوالے حملہ کی خبر
مدینہ میں پہنچی تو مدینہ کے یہود اور منافقین میں ایک ولولہ پیدا ہو گیا اور وہ یہ سوچکر
نہایت خوش ہوئے کہ اب یہ لشکر مہاجرین اور اُنکے مددگاروں کا خاتمہ کرکے واپس جائیگا
دشمن بھی بڑے گھمنڈ سے جا رہا تھا۔ اِس فوج نے مدینہ کی طرف اُس راہ سے کوچ کیا
جو ساحل کے قریب تھا یعنی وہ راہ جسپر ابوجہل کی فوج نے (جس نے مقام بدر پر
شکست کھائی تھی) کوچ کیا تھا۔ مدینہ پہنچکر لشکر نے اُحد کے پہاڑ کے دامن میں مدینہ سے
۲ یا ۳ میل شمال مشرق کی طرف ایک مختص مقام میں ڈیرے لگائے اور مدینہ والوں
کے کھیتوں اور باغوں کو تباہ کرنا شروع کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ سلم ایک ہزار آدمی
ساتھ لیکر شہر سے نکلے عبداللہ بن اُبیّ ایک سردار جسکا پہلے ذکر گذر چکا ہے اب عین
معرکہ جنگ اور اس لڑے وقت میں اپنے تین سو آدمی لیکر الگ ہو گیا اور مسلمانوں
کی تعداد اب صرف ۷۰۰ رہ گئی۔ جنہیں صرف دو گھوڑے تھے۔ منافقین کی اس کارروائی

سے جو انہوں نے یہود کے مشورہ سے کی صاف ثابت ہوتا ہے کہ اُن کا ارادہ تھا کہ مسلمان تباہ ہو جاویں اور عین معرکہ جنگ کے وقت الگ ہونا اسلیئے اختیار کیا گیا کہ مسلمان حوصلے ہار دیں مگر مسلمانوں کا بھروسہ خدائے تعالیٰ پر تھا۔ باقی ۷۰۰ آدمیوں کی جمعیت برابر بڑھتی گئی۔ اور کوہ اُحد پر پہنچکر رات اس پہاڑ کی کھو میں کاٹی۔ صبح ہوتے ہی لشکر نے نماز فجر ادا کی اور دشمن کا مقابلہ کرنیکے لیئے میدان میں اُترے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو پہاڑ کے پیچھے نیچے کھڑا کیا۔ اور عبداللہ بن جبیر کو چند آدمیوں کے ساتھ لشکر کے پیچھے ایک ٹیلے پر جدھر سے دشمن کو حملہ کرنیکا موقعہ مل سکتا تھا کھڑا کر دیا۔ اور حکم دیا کہ جو ہو سو ہو خبردار یہاں سے ہرگز نہ ہلنا۔ مشرکین اپنی کثرت کے گھمنڈ میں اپنے ٹھاکروں کو وسط لشکر میں رکھے ہوئے آگے بڑھے اور انکے سرداروں کی بیبیاں لڑائی کے گیت گاتی تھیں۔ اس لڑائی کا نقشہ جو میور نے کھینچا ہے مَیں وہی اس جگہ نقل کرتا ہوں۔ وہ لکھتا ہے۔

"قریش کا جھنڈا اُٹھائے ہوئے طلحہ (ابن عبدالعزیٰ) اکیلا آگے بڑھا۔ اور مسلمانوں کو للکار کر مقابلہ کے لیئے بلایا۔ مسلمانوں کی طرف سے (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) نکلے اور اُسپر حملہ کرکے ایک ہی تلوار سے اُسکو مار کر زمین پر گرا دیا۔ اسکے بعد طلحہ کا بھائی عثمان آگے بڑھا اور اپنے مُردہ بھائی کے پاس سے جھنڈا اُٹھا کر میدان میں کھڑا ہو گیا۔ عثمان کے مقابل میں (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) نکلے اور تھوڑی دیر کے بعد اُسکو بھی مار کر نیچے گرا دیا۔ اس طرح یکے بعد دیگرے طلحہ کے خاندان یعنی دو بھائیوں اور تین بیٹوں نے جھنڈے کو اُٹھایا اور سب باری باری قتل ہوتے گئے۔ جب تک یہ طریق جو عرب کے طرز جنگ کے مطابق تھا جاری رہا قریش نے اپنی کثرت سے کوئی فائدہ نہ اُٹھایا اور انکے علَم برداروں کے یکے بعد دیگرے قتل ہونے سے اُنپر دہشت چھا گئی۔ اب گھمسان کا جنگ شروع ہوا مگر مسلمان ایسی بہادری اور جانفشانی سے لڑے کہ قریش کی فوج کے پاؤں اُکھڑ گئے۔ اُن کے سواروں نے مسلمانوں کی جماعت پر بار بار حملہ کرنا چاہا

مگر عبداللہ بن جبیر کی جماعت نے جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کے پیچھے ایک ٹیلے پر کھڑا کیا تھا ہر مرتبہ ان سواروں پر ایسے تیر برسائے کہ انکو واپس ہٹنا پڑا۔ جیسا بدر کے مقام پر مسلمانوں نے اپنی جانوں کی کچھ بھی پروا نہ کرکے نہایت شجاعت اور جانبازی سے دشمن کا مقابلہ کیا تھا ایسا ہی اب بھی کیا۔ جب ابودجانہ جسکو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تلوار دی تھی اپنے سر پر سرخ رومال باندھے ہوئے دشمن کی صفوں کو ایک سرے سے دوسرے سرے تک کاٹتا ہوا جاتا تھا تو اُسکے آگے دشمن کی صفیں متزلزل ہوتی ہوئی دکھائی دیتی تھیں (حضرت) علی (رضی اللہ عنہ) اپنے سر پر ایک لمبا سفید پر بطور نشان کے باندھے ہوئے۔ (حضرت) حمزہ (رضی اللہ عنہ) جنکے سر پر شتر مرغ کا پر لہرا رہا تھا۔ اور (حضرت) زبیر (رضی اللہ عنہ) چمکیلی زرد پگڑی باندھے ہوئے جدھر جاتے تھے دشمن میں ہل چل پڑ جاتی۔ ایسی نظارے تھے جن میں اسلامی فتوحات کے لیڈروں نے تربیت پائی۔"

(لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)

قریش کی صفوں کی پریشانی کو دیکھکر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ قریش کی فوج کے اندر گھس گئے اور جو سامنے آتا اُسکو تہ تیغ کرتے تھے۔ مسلمانوں کو فتح ہو چکی تھی اور دشمن کے تین ہزار مسلح جوانوں کو صرف سات سو مسلمانوں نے بھگا دیا تھا کہ عبداللہ بن جبیر کی جماعت جو گھاٹی پر کھڑی تھی دشمن کو بھاگتے ہوئے دیکھکر اور یہ خیال کرکے کہ اب تو لڑائی کا فیصلہ ہو چکا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے برخلاف غنیمت میں حصہ لینے کے لیئے نیچے اُتر آئی۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رض نے بہت روکا مگر انہوں نے کچھ پروا نہ کی۔ حضرت عبداللہ بن جبیر رض خود اور چند اُنکے ساتھی اُسی مقام پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی تعمیل میں کھڑے رہے۔ باقی اُتر آئے۔ خالد بن ولید جو قریش کیطرف سے لڑتا رہا تھا اور اب قریش کے سواروں کے ساتھ بھاگ رہا تھا جب اُس نے اُس مقام کو خالی دیکھا جہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت

عبداللہ بن جبیرؓ کی جماعت کو کھڑا کیا تھا تو وہ سواروں کو ساتھ لیکر لوٹا حضرت عبداللہؓ اور آپکے چند ساتھی جو گھاٹی پر کھڑے تھے اُن سواروں کا مقابلہ کر کے شہید ہو گئے اور اب ان سواروں نے مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ کیا۔ قریش کی جو فوج بھاگ ہی تھی وہ بھی ان سواروں کو دیکھکر لوٹی مسلمانوں کی چھوٹی سی جماعت آگے پیچھے دونوں طرف سے کثیر التعداد دشمنوں سے گھر گئی مگر پھر بھی وہ بہادری سے لڑتی رہی۔ اُس گھمسان میں حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور بہت سے دیگر مسلمان شہید ہوئے۔ حضرت علی۔ حضرت عمر۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہم بھی سخت زخمی ہوئے۔ اب دشمنوں نے ملکر خاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا نشانہ بنا لیا اور سب آپ پر امڈ آئے۔ اور چند صحابہؓ نے جو اُسوقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑے تھے نہایت ہی جوانمردی سے اپنی جانیں قربان کر کے آپکے پاک وجود کو دشمن کے حملوں سے بچانیکی کوشش کی۔ اور کئی آپکے پاس شہید ہوئے۔ طلحہ (ابن عبداللہ) آپکے مبارک چہرہ کے آگے اپنا ننگا بازو رکھکر آپکے چہرہ مبارک کو دشمن کے حملوں سے بچاتا تھا اور اُسکے بازو پر اسقدر زخم لگے کہ وہ بازو ہمیشہ کیلئے شل ہو گیا۔ ابو دجانہ نے اپنے وجود کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دشمنوں کے درمیان حائل کر دیا اور جو وار دشمن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کرتے وہ اپنے جسم پر جھیلتا مگر اپنی جگہ سے نہ ہلتا۔ کیا مسیحی صاحبان دنیا کی تاریخ میں ایسی وفاداری اور جان نثاری کی نظیر پیش کر سکتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ سے ظہور میں آئی۔

دشمنوں نے تیر۔ تلوار اور پتھروں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر حملے کیے۔ آپ کا نچلا ہونٹ زخمی ہوا۔ آپکے دانت شہید ہوئے۔ آپکے خود کے حلقے آپکے چہرہ میں گھس گئے۔ آپ کی پیشانی مبارک پر بھی زخم پہنچا۔ جنگ کے اثنا میں ایک دفعہ آپ ایک گڑھے میں گر پڑے۔ ایک شیطان نے بلند آواز سے پکار کر کہا ان محمداً قد قتل کئی مسلمانوں کے دل چھوٹ گئے۔ اور کئی میدان جنگ سے ہٹ گئے۔ انس بن النضر کی نسبت لکھا ہے کہ وہ ایک جماعت کے پاس سے گذرا جو دل چھوڑ کر بیٹھے ہوئے تھے۔ اُس نے دریافت کیا تم کس چیز کی انتظار کرتے ہو۔ انہوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم شہید ہو گئے ہیں۔ انس بن النضر نے کہا ما تصنعون بالحیوٰۃ بعدہٗ

یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد تم جی کر کیا کروگے۔ اُٹھو اور جس طرح آپ نے
خدا کی راہ میں جان دیدی تم بھی اُسی راہ میں اپنی جان دیدو۔ یہ کہکر وہ کفار کی طرف
بڑھا۔ راستے میں اُسکو سعد بن معاذ ملا۔ انس نے اُسے کہا انی لاجد ریح الجنة
من دون احد۔ مجھے اُحد کی طرف سے جنت کی خوشبو آتی ہے۔ پھر وہ کفار کے
ساتھ جاکر لڑا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگیا اور اُس کے جسم پر ستر زخم تھے یہانتک کہ کوئی
اُسے پہچان بھی نہیں سکتا تھا۔ اُسکی ہمشیرہ نے انگلیوں کے پوروں کے ذریعہ اُسے پہچانا۔ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کو خدائے تعالیٰ نے یعصمک من الناس کے وعدہ کے مطابق دشمن
کی تلواروں اور تیروں اور پتھروں میں سے بچا لیا۔ صحابہؓ دشمنوں کو مار مار کر پیچھے ہٹاتے
رہے یہانتک کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر محفوظ جگہ میں پہنچا دیا۔ جب مسلمانوں کو معلوم
ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں تو رفتہ رفتہ سب صحابہؓ آپکے پاس جمع ہوگئے۔
ستر مسلمان اس جنگ میں شہید ہوئے۔ کفار نے بڑی بیرحمی سے صحابہؓ کی لاشوں کو کچلا۔
عورتوں نے مقتولین کے گوش و بینی کاٹ کر اُنکے ہار بنائے اور گلے میں پہنے ہندہ
نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کا کلیجہ نکالکر چبایا۔ جب صحابہؓ نے شہیدوں کی لاشوں کا
یہ حال دیکھا تو اُنکی آنکھوں میں خون اُتر آیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسقدر صدمہ پہنچا
کہ آپنے اپنے صحابہؓ کو حکم دیا کہ آئندہ تم بھی کفار کی لاشوں سے ایسا ہی سلوک کرنا اور
اپنے پیارے جان نثار چچا حضرت امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو دیکھکر فرمایا لامثلن
بسبعین منہم مکانک یعنی تیرے عوض میں اُنکے ستر کو مثلہ کروں گا۔ مگر
فطری رحم عارضی بشری غضب پر غالب آکر مندرجہ ذیل آیت کے نزول کا محرک ہوا۔
وَإِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوا بِمِثْلِ مَا عُوقِبْتُمْ بِهِ ۔ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ لَهُوَ خَيْرٌ
لِّلصَّابِرِينَ (پارہ ۱۴۔ سورہ نحل۔ رکوع ۱۶) یعنی اگر تم سزا دینی چاہو تو بس اتنی ہی
جتنی تمکو تکلیف دیگئی۔ اور اگر تم برداشت کر جاؤ تو یہ امر صابرین کیلئے بہت اچھا ہے۔
اسکے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لاشوں کے پامال کرنے اور مثلہ کرنے کی قبیح
رسم کو ہمیشہ کیلئے قطعاً حرام کر دیا اور صرف اسلام کو ہی یہ فخر حاصل ہوا۔ یہ رسم اسلام

سے پہلے سب قوموں میں جاری تھی۔ یہود اپنے اسیروں کو زندہ جلا دیتے تھے اور مقتولین کی لاشوں کو بڑی بے رحمی سے پامال کرتے۔ رومیوں۔ فارسیوں اور یونانیوں میں بھی یہ قبیح رسم جاری تھی عیسائیت نے بھی اس خوفناک رسم میں کوئی اصلاح نہ کی۔ سولھویں صدی مسیحی تک عیسائی زندہ آدمیوں کے اعضا کاٹ کاٹ کر انکو قتل کرتے تھے۔

جنگ کے ختم ہونیکے بعد کفار کے لشکر نے مکّہ کی راہ لی۔ اب انہیں یہ طاقت نہ تھی کہ مدینہ پر حملہ کرکے دوبارہ لڑائی کو چھیڑیں۔ کیونکہ وہ میدان میں مسلمانوں کے ہاتھ دیکھ چکے تھے۔ اگر مسلمانوں کو اس جنگ میں تکلیف پہنچی تو وہ اُن تیراندازوں کی غلطی کا نتیجہ تھا۔ جنہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کا خلاف کیا کفار کی بہادری تو اُسوقت ظاہر ہوگئی تھی جب کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے یہانتک کہ وہ اپنی عورتوں تک پہنچ گئے۔ اور مسلمانوں کو فتح حاصل ہو چکی تھی۔ چنانچہ خدائے تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِي الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۔ (آل عمران - ۱۶) اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو اپنا وعدہ (فتح کا) سچا کر دیا تھا جب تم اُنکو (کفار کو) اللہ تعالیٰ کے حکم سے کاٹتے تھے یہانتک کہ تم پھسل گئے اور جھگڑا کیا (نبی کے) حکم میں اور نافرمانی کی بعد اسکے کہ خدائے تعالیٰ نے تم کو وہ چیز دکھا دی تھی جو تم چاہتے تھے (یعنی فتح دکھا دی تھی) غرض کفار نے لڑائی کا مزہ چکھ لیا تھا انہوں نے اتنے ہی کو غنیمت سمجھا کہ ہم اس کہنے کے لائق ہوگئے ہیں کہ ہمیں فتح ہوئی۔ اسلیئے انہوں نے مدینہ کا رُخ نہ کیا تا بنا ہوا کام کہیں پھر نہ بگڑ جائے اور نہ اُنہیں اب یہ سکت رہی تھی کہ مدینہ پر حملہ کرکے لڑائی کو دوبارہ اپنے ذمہ ڈال لیں۔ اسلیئے انہوں نے سیدھا مکّہ کا رُخ کیا لشکر کی روانگی سے پہلے کفار کا سردار ابوسفیان اس جگہ آیا جہاں مسلمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع تھے۔ یہاں آکر اُسکو معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے اسلام کے ارکین جیساکہ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما صحیح و سالم ہیں۔ اور جو صدمہ وہ

اسلام کو پہنچانا چاہتا تھا اُس میں اُس کو ناکامی ہوئی ہے۔ اور جو جوابات اُسکو مسلمانوں کی طرف سے ملے اُن سے بھی اُسکو ثابت ہو گیا کہ مسلمانوں کی قوت اور شجاعت میں ابھی کوئی ضعف نہیں آیا۔ چلتے ہوئے وہ مسلمانوں کو چیلنج دے گیا کہ آئندہ سال پھر بدر پر لڑائی ہو گی۔ راستے میں جب قریش نے شیخی سے لوگوں کو سنایا کہ ہم فتحیاب ہو کر آئے ہیں تو لوگوں نے اُنسے دریافت کیا کہ اگر تم درحقیقت فتح پاکر آئے ہو تو فتح کے نشان دکھلاؤ۔ قیدی اور غنیمت کا مال تمھارے پاس کہاں ہیں چنانچہ جب کفار کا لشکر حمراء الاسد میں پہنچا جو مدینہ سے قریباً ۸ میل کے فاصلہ پر ہے تو لوگوں نے اُن کو ملامت کرتے ہوئے کہا۔ لا محمداً قتلتم ولا الکواعب اردفتم بئس ما صنعتم۔ ارجعوا۔ یعنی تم کس فتح پر ناز کرتے ہو۔ نہ تو تمنے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو قتل کیا اور نہ مسلمانوں کی جوان عورتیں (لوٹ کر) اپنے پیچھے چڑھالائے تم نے برا کیا۔ پھر لوٹ جاؤ۔ یہ ایسی باتیں تھیں کہ انکا جواب اُنکے پاس کچھ نہ تھا۔ سوچا کہ واقعی ہمیں کوئی ایسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی جسکا ہم فخر کر سکیں اسلیئے شرم کو مٹانیکے لیئے پھر لوٹنا چاہا جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی کہ قریش پھر لوٹنا چاہتے ہیں تو آپنے صحابہؓ کو فوراً جنگ کے لیئے نکلنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ گیا تو مَیں تنہا جاؤں گا اور کفار سے جنگ کروں گا۔ مسلمان اگرچہ اکثر زخمی تھے۔ اور دن بھر کی گھمسان کی لڑائی کا تھکان بھی تھا پھر بھی لڑائی کے لیئے مستعد ہو گئے۔ اور اُحد کی لڑائی سے دوسرے دن ہی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سب صحابہؓ کو ساتھ لیکر حمراء الاسد تک دشمن کا تعاقب کیا۔ مگر کفار کو کہاں حوصلہ تھا کہ پھر مسلمانوں سے لڑائی کریں اسی میں اُنھوں نے خیر سمجھی کہ ایک دفعہ بھاگ گئے اور شکست کھانے کے بعد شرم رہ گئی۔ آخر پھر مکہ کی طرف منہ کیا اور ابو سفیان نے راستے سے یہ پیغام بھیجا کہ مَیں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اور مسلمانوں کی دوسرے سال آکر بیخکنی کروں گا۔ اگر اُس میں بیخکنی کی طاقت تھی تو اُسی وقت لوٹ کر بیخکنی کیوں نہ کر لی۔

یہ تشیبی صرف فرار کو ڈھانپنے اور بزدلی پر پردہ ڈالنے کیلئے تھی۔ راستے میں ابوسفیان کے سپاہیوں کو دو مسلمان ہاتھ آگئے اُنکو قتل کرکے مکّہ کی طرف چلدیئے۔

قریش تو اسلام کے دشمن تھے ہی مگر ہمارے مسیحی مہربانوں کو اسلام کے ساتھ اُنسے کم بغض نہیں۔ قریش خواہ کیسی بے رحمی کے مرتکب ہوں اُنکو معاف۔ اگر مسلمان مجبور ہوکر اپنی اور اپنے اہل وعیال اور اپنے دین کی حفاظت کے لیئے ہاتھ اُٹھائیں تو مسیحی صاحبان شور مچا دیتے ہیں کہ دیکھو بھائیو! ظلم ہوگیا۔ اسی جنگ اُحد کو دیکھو۔ کفار نے مسلمانوں کی لاشوں کی کیسی بے رحمی سے بے حرمتی کی۔ مگر کیا مسیحی صاحبان میں سے کسی نے کبھی قریش کو ظالم اور بیرحم ٹھہرایا۔ اور جیساکہ مسلمانوں کے ایک ایک کام کو چُن چُن کر اور اُسپر اپنا رنگ چڑھاکر شور ڈالتے اور واویلا کرتے ہیں اس طرح کبھی قریش کے مظالم کو گن گن کر کبھی اُنپر بھی ایسا ہی شور مچایا ہے؟ برخلاف اسکے قریش تو انکے نزدیک بالکل بے قصور اور مظلوم ہیں اور مسلمانوں کو عجیب عجیب ناموں سے یاد کیا جاتا ہے۔ کاش کہ مسیحی صاحبان کے دل میں رائی بھر بھی انصاف ہوتا اور وہ اُنہی دردانگیز الفاظ پر غور کرتے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مُنہ سے بلاکسی بناوٹ اور تکلف کے اسوقت نکلے جب صحابہؓ آپکے چہرہ مبارک سے خون کو دھو رہے تھے کیونکہ وہی الفاظ اِس امر کے فیصلہ کیلیئے ایک انصاف پسند آدمی کے نزدیک کافی ہیں کہ فریقین میں سے کس کی طرف سے زیادتی تھی جب آپکے زخموں کو دھویا جارہا تھا تو آپنے فرمایا کیف یفلح قوم خضبوا وجہ نبیھم وھو یدعوھم الی ربھم (ابن ہشام۔ بیان غزوہ اُحد) یعنی وہ قوم کس طرح بامراد ہوسکتی ہے جس نے اپنے نبی کے چہرہ کو اُسی کے خون سے رنگ دیا صرف اس وجہ سے کہ وہ اُنکو اُنکے رب کی طرف بلاتا ہے۔ یہ الفاظ بالکل بناوٹ اور تکلف سے خالی ہیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اندرونی خیالات کا صحیح صحیح نقشہ پیش کرتے ہیں اور ایک منصف مزاج انسان کیلیئے انسے بہتر حقیقی فیصلہ تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہوسکتا۔ انسے صاف ثابت ہوتا ہے کہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس لیئے نہیں لڑتے تھے کہ آپنے اُنسے پہلے جنگ چھیڑی تھی بلکہ اُنکی لڑائی کی بنا اُس عداوت پر تھی جو شریر لوگوں کو ہمیشہ

اپنے انبیاء کے ساتھ ہوتی ہے۔ اگر مسیحی صاحبان اس امر کو صفائی سے سمجھنا چاہتے ہیں تو یہی بات دوسرے الفاظ میں اس طرح بیان ہو سکتی ہے کہ قریش کے جنگ کی بنا اُسی عداوت پر تھی جو مسیحؑ کے صلیب پر لٹکایا جانے اور منہ پر تھوکا جانے کا باعث ہوئی۔ اور اگر مسیحی صاحبان اس امر کو اور بھی واضح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں تو میں یوں کہوں گا کہ قریش کے حملے مسلمانوں پر اُسی بُغض اور کینہ کی وجہ سے تھے جس کی وجہ سے ابتک مسیحی صاحبان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر ناپاک حملے کر رہے ہیں۔ دونوں قسم کے حملوں کا در اصل باعث ایک ہی ہے۔ صرف فرق یہ ہے کہ عرب کے جاہل تلوار کے ساتھ اسلام پر حملہ کرتے تھے مگر آجکل کے تہذیب کے مدعی قلم اور زبان سے اسلام پر حملے کرتے ہیں۔ تعجب ہے کہ مسیحی صاحبان کو اسلام سے اسقدر تعصب اور بُغض ہے کہ اس تعصب کی وجہ سے وہ دنیا کی تاریخ کو بدلنا چاہتے ہیں۔ پہلے تو ہمیشہ سے سُنت اللہ یہی چلی آئی ہے کہ قومیں اپنے ناصحین سے عداوت کرتی تھیں مگر انکے نزدیک جب عرب میں ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس نے اپنی قوم کو توحید کی طرف بلایا اور بُت پرستی سے اُنکو نفرت دلائی اور کئی سال صبر سے طرح طرح کے مظالم کو بھی برداشت کیا مگر عجیب بات یہ ہے کہ دنیا کی تمام تاریخ کے برخلاف مسیحی صاحبان اُسی ناصح کو ظالم ٹھہراتے ہیں اور اُسکی قوم کو مظلوم قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس امر سے بھی انکار نہیں کر سکتے کہ وہ شرک و گمراہی کے گڑھے میں ڈوبی ہوئی تھی اور اُس ناصح نے اُنکو توحید اور ہدایت کی طرف بلایا۔ انگریزی میں ایک مثل ہے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے تئیں دُہراتی رہتی ہے مگر تعجب ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ان کے نزدیک زمانہ کی تاریخ بالکل اُلٹ گئی وہ جو ناصح تھا ظالم ٹھہرا اور اُسکی قوم دنیا کی تمام قوموں کے برخلاف مظلوم بنی۔

اسی جنگ اُحد میں اور کئی ایسی باتیں ہیں جنسے ایک انصاف پسند انسان نتیجہ نکال سکتا ہے کہ قریش کی غرض مسلمانوں کے ساتھ جنگ کرنے میں کیا تھی میں اوپر بیان کر چکا ہوں کہ کفار اپنے ساتھ اپنے بُت لائے تھے اور لڑائی کے وقت انھوں نے اُن ٹھاکروں کو قلب لشکر میں رکھا۔ اور پھر جب ابو سفیان کی گفتگو لڑائی کے بعد مسلمانوں

کے ساتھ ہوئی اُسوقت اُسنے پکار کر کہا اعل ھبل (ھبل دیوتے کی جے !)
جسکے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللّٰہ اعلیٰ واجل (یعنی اللہ تعالیٰ سب سے اونچا اور سب سے
بزرگ ہے) پھر اُسنے پکار کر کہا لنا العزی ولا عزی لکم یعنی عُزی (بُت کا نام ہے)
ہمارا ہے تمہارا نہیں جسکے جواب میں مسلمانوں نے کہا اللّٰہ مولٰنا ولا مولیٰ لکم
یعنی اللہ تعالیٰ ہمارا آقا و مددگار ہے اور تمہارا کوئی حامی و مددگار نہیں۔

لڑائی کے وقت بُتوں کو اپنے قلب لشکر میں اس طرح رکھنا جس طرح بادشاہ اپنے لشکر کے وسط میں کھڑے ہوتے ہیں اور مقابلہ میں اپنے بتوں کی جے پکارنا جس طرح سپاہی اپنے بادشاہ کا نام فتح کے وقت پکارتے ہیں صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے تئیں بتوں کے سپاہی خیال کرتے تھے اور اُنکی ساری لڑائیاں اپنے بُتوں کی عزت کے لئے تھیں۔ چونکہ اسلام کا حملہ اُنکے بُتوں پر تھا اسلیئے اپنے بتوں کی حمایت میں اُنکی سلطنت قائم رکھنے کے لیئے وہ اسلام پر حملہ کر کے اُسکو نابود کرنا چاہتے تھے۔

اس جنگ سے دو بڑے فائدے حاصل ہوئے۔ اوّل تو منافقین کا نفاق اور یہود کا عناد صاف طور پر کھل گئے۔ دوسرا مسلمانوں کو یہ سبق حاصل ہوا کہ اُنکی کامیابی کی مدار کسی اُنکی اپنی طاقت اور قوت پر نہیں بلکہ خدائے تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اس بات پر موقوف ہے کہ وہ رسول کی اطاعت سے کسی وقت روگردانی نہ کریں۔ اُنکو اطاعت رسول کا ضروری سبق دیا گیا اور اُنکو دکھا دیا گیا کہ خدائے تعالیٰ تو تمہیں فتح دینے پر قادر ہے خواہ تم تعداد میں تھوڑے اور سامان میں کمتر ہو مگر یہ نتیجہ اس شرط کے ساتھ وابستہ ہے کہ تم رسول کے حکم پر چلو۔ رسول کی معصیت سے اُنکو شکست کا مُنہ دکھا کر اُنپر ثابت کر دیا کہ اطاعت کیسی ضروری ہے۔ یہ ایک ایسا سبق مسلمانوں کو سکھایا گیا جسکی قیمت کا اندازہ اس نقصان کے اندازہ سے زیادہ ہے جو مسلمانوں کو اُحد کے دن پُہنچا۔

آپنے مدینہ سے نکلنے سے پہلے اپنے صحابہؓ کو اپنا ایک رُویا سنایا آپنے دیکھا کہ آپ زرہ پہنے ہوئے ایک مینڈھے پر سوار ہیں۔ آپکی تلوار نوک کے پاس سے ٹوٹ گئی مگر دوبارہ جلدی درست ہو گئی۔ اور آپ کی آنکھوں کے سامنے ایک بیل ذبح کیا گیا۔ آپنے فرمایا کہ تلوار کے

ٹوٹنے سے مراد ہے کہ مجھے کچھ نقصان پہنچیگا بیل ذبح ہونے سے میری جماعت کے بعض افراد کا شہید ہونا مراد ہے۔ مینڈھے پر سوار ہونا دشمن میں خونریزی ظاہر کرتا ہے اور زرہ سے مراد مدینہ ہے جو محفوظ رہے گا چنانچہ ایسا ہی ہوا جیسا کہ آپ نے فرمایا تھا۔ صحابہؓ نے جب یہ سنا کہ مسلمانوں میں کئی آدمی شہید ہونگے تو بعض صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ آپ دعا فرماویں کہ ان شہداء میں ہم بھی شامل ہوں۔

(دیکھو ابن ہشام۔ زاد المعاد۔ مواہب زرقانی۔ فصل الخطاب مصنفہ حضرت مولوی نور الدین لائیف آف محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) مصنفہ ولیم میور)

آریوں کا ایک رسالہ گروکل سے انگریزی میں نکلتا ہے جسکا نام "ویدک میگزین" ہے اس میں ایک نامہ نگار الہام کی ضرورت کے بارے میں لکھتا ہے "انسان فطرتاً کامل نہیں۔ ہر ایک سچائی کا چشمہ پرماتما کی ذات ہے۔ وہی ایک کامل حاضر و ناظر اور علیم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم اپنے نقائص کے سبب سے ہر لحظہ مزید روشنی کے محتاج ہیں اور باوجود تمام علوم و ہنر اور فلسفہ کے ہمکو مجبوراً یہ کہنا پڑتا ہے کہ "اے خدا تیرا کلام میرے راستہ کی روشنی ہے"۔ یہانتک تو مضمون نگار صاحب بالکل ایک مسلمان کی طرح لکھتے ہیں لیکن تعجب کی بات ہے کہ باوجود ایسے معتقدات کے آریہ سماج بھارت ورش کے چند رشیوں کے سوا جو انکے خیال کے مطابق ابتدائے عالم میں تھے اور سب پر الہام کا دروازہ مسدود کرتی ہے۔ نامہ نگار موصوف دوسری الہامی کتابوں کی نسبت اسقدر سختی سے کام نہیں لیتا جو کہ آریہ سماجی دوستوں کا خاصہ ہے۔ جہانتک ہمارا علم ہے آریہ سماج کا یہ عقیدہ ہے کہ ویدوں کے سوا تمام کتابیں انسانی بناوٹ ہیں اور یہ کہ تمام انبیاء جو آریہ ورت میں پیدا نہیں ہوئے معاذ اللہ راستباز نہیں تھے۔ لیکن نامہ نگار مذکور آریہ سماج کے

اس عقیدہ کے متعلق لکھتا ہے "کہ یہاں پر آریہ سماج نے ایک مدعیانہ رنگ اختیار کر لیا ہے۔ اور چونکہ الہام انسانی ضروریات میں سے ہے اسلیئے یہ سوال ہو سکتا ہے کہ وید کے سوا دوسری کتابوں کو کیوں الہامی نہ مانا جاوے۔ یہ ایک متنازعہ فیہ امر ہے اور جبتک وید۔ بائبل اور قرآن زمین پر موجود ہیں یہ جھگڑا باقی رہیگا اور اسکا حل مشکل بھی ہے"۔ اگرچہ مضمون نگار اس سوال کو مشکل اور ناقابل حل قرار دیتا ہے مگر اُسکے ہم مذہب دوسرے آریہ سماجی اسے ایک فیصلہ شدہ امر سمجھتے ہیں۔ اور آریہ سماج نے کبھی اشارۃً بھی اس امر کا اظہار نہیں کیا کہ وید کے سوا کوئی اور بھی الہامی کتاب ہو سکتی ہے۔ مگر یہ مضمون نگار صاحب آریہ سماج کے اس عقیدہ کو ماننے کے لیئے تیار نہیں اور اُنکے خیال میں اس امر کا فیصلہ کرنا ہی مشکل ہے۔ لیکن ایک مسلمان کو اس میں کوئی ایسی بات نظر نہیں آتی جو لالہ صاحب کی اسقدر پریشانی کا موجب ہوئی ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے کہ ہر قوم میں خدائے تعالیٰ کے رسول مبعوث ہوئے چنانچہ ارشاد باری ہے وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (فاطر) یعنی ہر ایک قوم میں کوئی نہ کوئی ڈرانے والا آتا رہا ہے۔ اسلیئے کوئی وجہ نہیں کہ ایک مسلمان ویدوں کے دراصل الہامی ہونیکا انکار کرے۔ اور اگر ویدوں میں کوئی ایسی تعلیم ملتی ہے جو کہ خدائے تعالیٰ کے نبیوں کی پاک تعلیم کے مخالف ہے مثلاً نیوگ یعنی اولاد حاصل کرنیکے لیئے کسی مرد کا اپنی بیوی کو دوسروں سے ہم بستر کرانا وغیرہ تو ایسی غلط تعلیم کو انسانی دست اندازی اور تحریف قرار دیا جا سکتا ہے۔ الغرض فرقان حمید کے ماننے والوں پر لازم آتا ہے کہ وہ دنیا کے ہر ایک نبی کی توقیر کریں خواہ وہ کسی قطعہ زمین پر پیدا ہوئے ہوں۔ لائق نامہ نگار کو جو مشکل پیش آئی ہے وہ آریہ سماج کے اس عقیدہ کا ہی نتیجہ ہے کہ آریہ ورت کے علاوہ کسی ملک میں الہام الٰہی نہیں ہوا۔

لیکن اس اعتقاد کی لغویت کسی تصریح کی محتاج نہیں۔ زمانہ قدیم میں قوموں کا ایک دوسرے سے کوئی رابطہ اور واسطہ نہیں تھا۔ ایک ملک کے لوگوں کو یہ معلوم

نہیں تھا کہ دوسرے ملک میں کیا ہو رہا ہے - اس سبب سے جیسا کہ قرآن مجید سے پایا جاتا ہے
مختلف ممالک میں مختلف انبیاؑ کا ظہور ہوا - اب دیکھیئے کہ ویدوں کو ہندوستان
میں بھی لوگ اچھی طرح نہیں جانتے پھر دوسرے ممالک کا خیال محض خیال ہی نہیں
تو اور کیا ہے - دراصل بات یہ ہے کہ ویدوں کا نزول دنیا کی تمام قوموں کیلئے
ہوا ہی نہیں اور بڑے لُطف کی یہ بات ہے کہ اِس زمانہ میں بھی جبکہ تمام دنیا صرف
ایک بڑے ملک کا حکم رکھتی ہے ویدوں کے ماننے والوں میں بھی اُن کے
پڑھنے والے بہت ہی کم ہیں - ہمارے آریہ دوست اگرچہ اس بات کے مدعی ہیں
کہ ویدوں کا پرچار کُل دنیا پر کریں گے مگر تا حال اُنکا ہاتھ بھی اُن مخفی خزانوں
تک نہیں پہنچا جو عالم خیال میں مقدس ویدوں کے اندر جمع ہیں - اگرچہ آریہ سماج
کا تیسرا نیم یہ ہے کہ "ہر ایک آریہ کا فرض ہے کہ ویدوں کو پڑھے پڑھائے -
سُنے اور سُنائے" مگر باوجود اس حکم کے بہت سے مہاشہ ایسے ہونگے
جنکو یہ بھی نصیب نہیں ہوا کہ وید کو ایک نظر سے تو دیکھ لیں -

اب ہمارے ناظرین ان حالات کا مقابلہ ذیل کی تحریر سے کریں جو کہ سی
ڈبلیو آرچبولڈ ایک امریکن اخبار میں لکھتے ہیں صاحب موصوف لکھتے ہیں
"مسلمانوں کے ملکوں کی سیر کرنیوالے سیاحوں نے عموماً بیان کیا ہے کہ اہل اسلام
جسقدر قرآن سے محبت رکھتے ہیں اسقدر مسیحی لوگ بائبل سے نہیں رکھتے - میرا
اپنا علم یہ ہے کہ مسجدوں اور اسلامی مکتبوں میں میں نے سوائے قرآن کے اور
کسی چیز کی تعلیم نہیں دیکھی اور میں سمجھتا ہوں کہ قاہرہ کی اسلامیہ یونیورسٹی میں
بھی یہی حال ہوگا جسکی نسبت ایک مصنف لکھتے ہیں کہ ایک وسیع احاطہ
میں پختہ فرش پر دو ایکڑ زمین میں صرف پگڑیاں ہی پگڑیاں دکھائی دیتی ہیں
اور چھت کے . . ۴ ستونوں میں سے ہر ایک کے پاس ایک معلّم شاگردوں کے حلقہ
میں بیٹھا ہوا ہوتا ہے"

پروفیسر نولڈیک انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں لکھتے ہیں کہ "دنیا کی

سب کتابوں میں سے قرآن مجید سب سے زیادہ پڑھا جاتا ہے" اور اسی وثوق سے کہا جا سکتا ہے
کہ وید ایک ایسی کتاب ہے جو سب سے کم پڑھی جاتی ہے۔ القصہ ایسا اعتقاد رکھنا بیہودہ اور لغو ہے کہ
پرماتما نے اپنا الہام وید جیسی گمنام کتاب تک ہی محدود رکھا۔ حالانکہ ویدوں کے جو شیلے پیرو
آریہ سماجی بھی اُنکو بہت کم پڑھتے ہیں۔ اگر کوئی معقول عقیدہ ہے جو کہ قابل پذیرائی ہو سکتا ہے
تو وہ اسلامی عقیدہ ہے یعنی اللہ تعالیٰ کو کسی خاص قوم کی رعائیت ملحوظ نہیں بلکہ اُس نے تمام
قوموں میں اپنے رسول مبعوث فرمائے ہیں اور ہم جائز فخر کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن کریم
ہی ایک ایسی کتاب ہے جس میں اس قسم کی تعلیم ہے اور جسکے ماننے والوں کو ہدایت ہے کہ دوسرے
مذاہب سے اسقدر نرم برتاؤ کریں یہی سبب ہے کہ ہم دوسرے مذاہب کے رشیوں یا پیغمبروں یا اُنکی
کتابوں کی نسبت سخت کلامی نہیں کر سکتے جس میں ہمارے آریہ دوست آئے دن مصروف
رہتے ہیں۔ برعکس اسکے ہم ان سب کو عزت اور ادب کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ چونکہ زمانہ قدیم
میں تمام قومیں ایک دوسرے سے علیحدہ تھیں اور اُنکے درمیان ناقابل عبور رکاوٹیں واقع تھیں اسلئے
ممکن نہ تھا کہ تمام دنیا کے لیئے ایک رسول اور ایک کتاب اُتاری جاتی مگر جب ہمارے نبی صلی اللہ
علیہ وسلم کا زمانہ آیا تو یہ تمام رُکاوٹیں اُٹھ گئیں آمدورفت کے ذرائع وسیع ہو گئے اور تمام قومیں ملکر
گویا ایک ہو گئیں اسلیئے اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا تمام آئندہ زمانوں اور تمام قوموں کیلیئے ایک
کامل نبیؐ بھیجا اور ایک کامل کتاب نازل فرمائی۔ صرف ہم ہی یہ دعویٰ قرآن مجید کے
لیئے نہیں کرتے بلکہ قرآن کریم خود صاف اور کھلے طور پر دعویٰ فرماتا ہے کہ آنحضرتؐ کُل
قوموں کیلیئے رسول ہو کر آئے ہیں اور آپکی کتاب بھی کُل دنیا کیلیئے ایک کامل شریعت ہے۔
چنانچہ فرماتا ہے وَمَا اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ (انبیاء۔ ۷) یعنی ہم نے
تجھکو (اے نبی صلعم) کُل عالموں کیلیئے رحمت کر کے بھیجا ہے۔ اور پھر فرمایا ہے قُلْ
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا۔ یعنی اے (نبی صلعم) کہدے
کہ اے انسانو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول ہو کر آیا ہوں۔ پھر فرمایا ہے وَمَا
اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (سبا۔ ۳) یعنی اور نہیں بھیجا ہم نے تجھے مگر سب
لوگوں کے واسطے۔ مزید برآں قرآن کریم کامل کتاب ہونیکا بھی دعویٰ کرتا ہے جیسا کہ

خدائے تعالیٰ فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (مائدہ-۱) آج میں نے تمھارے لیئے تمھارے دین کو کامل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت کو پورا کر دیا اور میں نے تمھارے لیئے اسلام کا دین پسند کیا حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عالمگیر بعثت کا عملی ثبوت اسطرح دیا کہ آپنے قرب وجوار کے تمام بادشاہوں اور حکام کو اسلام کی طرف بلایا۔ دنیا کی تمام مقدس کتابوں میں سے ایک قرآن شریف ہی ہے جو کہ کامل شریعت لانیکا مدعی ہے اور تمام سچائیوں کو جو مختلف کتابوں میں متفرق طور پر پائی جاتی ہیں اُنکے جامع ہونیکا دعویٰ بادلیل کرتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت خدائے تعالیٰ فرماتا ہے رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ یَتْلُوْا صُحُفًا مُّطَهَّرَةً فِیْهَا کُتُبٌ قَیِّمَةٌ (بینہ) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول جو کہ پاک صحیفوں (یعنی قرآن مجید) کو پڑھتا ہے جنمیں تمام راست کتابیں شامل ہیں۔ پھر فرماتا ہے۔ یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَهْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (نسار-۵) اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ تمھیں کھولکر بیان کرے اور ہدایت کرے تمھیں اُن لوگوں کی راہیں جو تم سے پہلے تھے ؀ کامل اور عالمگیر ہونیکا دعویٰ صرف قرآن مجید نے کیا ہے۔ اور کسی کتاب نے یہ دعویٰ نہیں کیا۔ کیا قرآن مجید کی طرح وید یا اناجیل نے کسی جگہ اس تصریح سے یا کسی اور کتاب نے اپنے کامل اور عالمگیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے؟ جبتک یہ کتابیں خود اپنے کامل یا عالمگیر ہونیکی مدعی نہ ہوں اُسوقت تک اُنکے ماننے والوں کے دعاوی مُدعی سست اور گواہ چست سے بڑھکر وقعت نہیں رکھ سکتے اور اُنکی خاموشی اس امر کا بیّن ثبوت ہے کہ وہ خاص قوموں اور خاص زمانوں کیلیئے تھیں اور انمیں جو ہدایات مندرج ہیں وہ خاص لوگوں کیلیئے خاص حالات کے ماتحت دیگئی تھیں۔ اگر وید کی نسبت یہ کہا جائے کہ الہام الٰہی کی ابجد ہے تو شاید موزون ہوگا لیکن اس زمانہ میں ویدوں کو گوشۂ گمنامی سے باہر لانے کی کوشش کرنا محض تضیع اوقات ہے۔ کیا دنیا کی امیدوں کا سہارا کوئی ایسی کتاب ہوسکتی ہے جس کے جوشیلے پیرو بھی اس سے ناواقف ہوں؟ اسکی تصدیق میں دیکھو ایک اور نامہ نگار میگزین مذکورہ میں کیا کہتا ہے۔ اُسکی شہادت پڑھنے کے قابل ہے۔ وہ لکھتا ہے "آریہ سماج میں

ہمارے ہاں سنسکرت دان پنڈتوں کی نہایت افسوسناک غلطی ہے ہم نے ویدک تعلیم کی ترقی کے
لیئے کچھ بھی نہیں کیا۔ یورپ کے علماء اور انکے ہندوستانی شاگرد وید کے منتروں کے خوفناک تراجم کر رہے ہیں ہم
اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں اور اس نقصان پر ہمیں افسوس کرنا پڑتا ہے۔ مگر اسکے اثر کا زائل کرنا ہماری
طاقت سے بالاتر ہے۔ وہ وید کے الفاظ کو موڑتے اور توڑتے ہیں اور وہی معنے کرتے ہیں جنسے انکی مطلب
برآری ہوتی ہے۔ ہم نہایت بیکسی سے اس دردانگیز اور ہتک آمیز نظارہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں
لیکن ہمارے درمیان کوئی نہیں جو ہماری مقدس کتابوں کی حمایت میں ایک کلمہ بھی کہہ سکے۔ ہمارا
دعویٰ ہے کہ ویدوں کا پرکاش اُسوقت ہوا جبکہ انسان نے اس زمین پر اپنا پہلا قدم رکھا مگر مغربی
علماء اس عقیدہ کو بیہودہ اور بچوں کا کھیل سمجھتے ہیں۔ ہمارا اعتقاد ہے کہ وید تمام علوم کا مخزن
ہیں مگر یورپین سنسکرت دان اس بات پر ہنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ ویدوں میں یا تو وہ گیت ہیں
جو آریہ گڈریوں نے قدرت کے مظاہر کو دیوتا سمجھکر انکی تعریف میں گائے ہیں یا وہ قواعد ہیں جو ان دیوتاؤں کی
رضا کیلیئے حیوانوں اور بعض اوقات انسانوں کی قربانیوں کے وقت آریوں کا دستور العمل تھے۔
مجھے یہ بات شرم سے تسلیم کرنی پڑتی ہے کہ ہمارے ہاں کوئی ایسا عالم نہیں جو وید کے تراجم کے
قاعدوں سے واقف ہو اور نہ ہی کوئی ایسا شخص ہے جو مغربی علوم میں کامل مہارت رکھتا ہو تاکہ
ان الزامات کا کافی جواب دے سکے .... اس میں کیا کلام ہے کہ اسوقت ہم ایسے مقابلہ کی بالکل طاقت
نہیں رکھتے .... ہم بڑھ چڑھ کر یہ تو کہدیتے ہیں کہ تمام دنیا کو ویدک دھرم کے جھنڈے کے نیچے
لائینگے مگر میرے نزدیک یہ ایک خالی شیخی ہے۔ آریہ سماج کے بانی کی موت کو ۲۵ برس سے
زیادہ کا عرصہ ہوگیا مگر باوجود بڑے بڑے ڈینگ مارنے اور شیخی بگھارنے کے ہم وید اور
شاستروں کی تعلیم رائج کرنے میں ناکام رہے ہیں + ہمارے علماء سے یہ بھی نہیں ہوسکا کہ
ویدوں اور شاستروں پر ایک ہی عالمانہ بھاشیہ لکھدیں .... اگر کسی جگہ ہمارے پنڈتوں کے
خیالات کو ذراسی بھی مدد ملتی دکھائی دیتی ہے تو فوراً اصل متن کو بیان کرتے وقت ہماری
پنڈت الفاظ کو مروڑتے توڑتے ہیں اور وہی معنے گھڑے جاتے ہیں جو کہ انکی عین خواہش
ہوتی ہے۔ ہاں اگر کوئی منتر ایسا ہے کہ جسکو وہ کسی طرح توڑ مروڑ نہیں سکتے تو اسکی نسبت
بلا سوچے سمجھے یہ فیصلہ دیدیتے ہیں کہ یہ پوپوں کی گھڑنت ہے۔ کسی منتر کا ترجمہ کرنیکے وقت

ہمارے پنڈت اس بات کے ثابت کرنیکی کوشش کرتے ہیں کہ ویدوں میں تمام علوم کے بنیادی اصول ہیں اور اسلیئے اُنکو ہر ایک ایسے منتر کا ترجمہ کرتے وقت جیسیں اگنی - وایو وغیرہ کا ذکر ہوتا ہے ذرا بھی یہ کہنے میں تامل نہیں ہوتا کہ اس منتر میں فلاں فلاں چیز کے مخفی رازوں کا ذکر ہے۔ .... اسکا نتیجہ قابل افسوس ہے۔ انکی تشریح ایسی بے محل اور بھونڈی ہوتی ہے کہ پڑھنے والا نفرت سے کتاب کو پھینک دیتا ہے اور ویدوں کی نسبت اُسکی اچھی رائے نہیں رہتی۔"

مذکورہ بالا تحریر جو ایک لائق آریہ لالہ گھاسی رام ایم اے - ایل ایل بی کی قلم سے نکلی ہوئی ہے اُن کوششوں کی ایک افسوس ناک مگر بالکل صحیح تصویر ہے جو کہ آریہ سماج ویدوں کے زندہ کرنے اور دنیا کو ویدک دھرم کے جھنڈے کے نیچے لانیکے لیئے کر رہی ہے۔ آریہ صاحبان مغربی لوگوں کے تراجم کو قبول نہیں کرتے اور نہ ہی اُن ہندوؤں کا ترجمہ انکی آنکھ میں وقعت رکھتا ہے جو دیانند کے پیرو نہیں۔ اور افسوس کا مقام ہے کہ آریوں کے اپنے پنڈت ایسے بے دست و پا ہیں کہ دنیا کے سامنے ویدوں کی صحیح صحیح تفسیر پیش نہیں کر سکتے۔ اور جب کبھی وہ کسی منتر کی تشریح کرتے ہیں تو دیانت سے کام نہیں لیتے بلکہ ایسا ترجمہ کرتے ہیں جو دراصل ان منتروں میں موجود ہی نہیں ہوتا پھر وید کے ایسے مفسرین سے دنیا کس فائدہ کی امید کر سکتی ہے؟ اگر مغربی سنسکرت دانوں کے اور پرانے ہندوؤں کے تراجم معتبر نہیں تو پھر کس طرح مانا جاوے کہ آریہ سماج نے جو ویدوں کی تشریحات کی ہیں وہ درست اور قابل پذیرائی ہیں۔ آریہ سماج کے ہی نقطۂ خیال سے اگر دیکھیں تو دنیا تو ویدوں کے سمجھنے سے عاری ہے اور سماجی پنڈتوں کے بیانات ابھی تک قابل اعتبار نہیں اور پھر بدقسمتی سے وید ہی ایک ایسی کتاب ہے جسکو پرماتما نے دنیا کی رہنمائی کے لیئے بھیجا ہے۔ اب بیچاری دنیا کا کیا حال جسے کتاب بھی ملی تو ایسی کہ صدہا سال ایک معمہ ہی رہی اور اب بھی ایک سربمہر کتاب ہے۔ مضمون نگار صاحب تو پنڈتوں کو الزام دیتے ہیں مگر ان غریبوں کا کیا قصور ہے۔ ابتدا پنڈت دیانند بانئ آریہ سماج کی طرف سے ہوئی ہے باقی سب اُنکے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

صدر انجمن احمدیہ کی ماہوار رپورٹ

چونکہ عنوان بالا کے ماتحت ہر ماہ میں ایک دو یا چار صفحوں تک ہوتے ہیں مجھے یہ اندیشہ ہے کہ اسے ایک مبتذل مضمون کی طرح سمجھکر بے توجہی سے کام نہ لیا جاوے۔ اس میں شک نہیں کہ یہ رپورٹ نہ کوئی دلکش مضمون اور نہ ہی کوئی دلچسپ کہانی ہے۔ اور نہ ہی اسکے اندر کوئی ایسے لطائف یا نکات موجود ہیں جو خود بخود توجہ کو کھینچ لیں۔ لیکن اس کا پڑھنا سب احمدیوں کا قومی فرض ہے۔ کیونکہ یہ اس سلسلہ کی زندگی کا ایک ورق ہے۔ اسکے پڑھنے میں گو لذت نہ ملے بلکہ بجائے اسکے اسپر عمل کرنے میں مشقت اُٹھانی پڑے۔ مگر یہ مشقت ہی ان راحتوں کا سرچشمہ ہے جنکے حاصل کرنیکے لئے ہم سے پہلے لوگوں نے اپنی جانوں اور مالوں کو قربان کر دیا یہ اعلائے کلمۃ اللہ اور اشاعت حق کی کوششوں میں اس راہ پر قدم مارنا ہے جس راہ پر خدا کے برگزیدہ مرسل آخری زمانہ کے مصلح نے اٰخرین منھم کی جماعت کو چلایا ہے۔ پس یہ حق ان صفحات کا ان تمام احباب پر ہے جو اس سلسلہ میں منسلک ہیں۔

بجٹ ۲۵ ستمبر کے اجلاس معتمدین میں کئی ایک اہم معاملات پیش تھے۔ مختلف انجمنوں کی آرا بجٹ کے متعلق پیش ہو کر ایک لاکھ اکیس ہزار سات سو چودہ روپے کا بجٹ خرچ یکم اکتوبر سے ۳۰ ستمبر ۱۹۱۰ء تک کے بارہ مہینوں کیلئے پاس کیا گیا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ وہ ان کاموں کو نئے سال میں پورا کرنیکی توفیق دے۔ چونکہ بورڈنگ میں تعیین اخراجات بورڈران کی تجویز کی سوائے ایک دو انجمنوں کے باقی سبنے تائید کی تھی اسلئے پندرہ ہزار روپیہ آمد و خرچ بورڈنگ ہوس کا بجٹ میں بڑھایا گیا ہے۔ اب اس تعیین کے قواعد زیر تجویز ہیں اور امید ہے کہ اخیر دسمبر تک قواعد وغیرہ طے ہو کر جنوری ۱۹۱۱ء سے اس تجویز پر عملدرآمد شروع ہو جائیگا۔ انجمن احمدیہ سیالکوٹ کی رائے کہ گرلز سکول کا خرچ قادیان کی مقامی انجمن برداشت کرے اور صدر انجمن پر یہ بوجھ نہ ڈالا جائے منظور ہوئی۔ اور اسی انجمن کی یہ تجویز کہ قریب کے دیہات میں جو شاخیں کھولی گئی ہیں انکی ضرورت نہیں پیش ہو کر فیصلہ ہوا کہ شاخیں چونکہ کھل چکی ہیں اور قریب دو سال سے جاری ہیں اسلئے سردست توڑی نہیں جاسکتیں لیکن وہاں کی جماعتوں سے دریافت کیا جاوے کہ وہ کسقدر مدد صدر انجمن کو دے سکتی ہیں۔ انجمن احمدیہ

کپورتھلہ نے یہ رائے پیش کی تھی کہ کانفرنس انجمنہائے احمدیہ سالانہ جلسہ دسمبر کے ساتھ نہ ہوا کرے اور بجٹ بجائے انجمنوں کو بھیجنے کے مناسب ہے کہ کانفرنس میں ہی پیش ہوا کرے۔ مجلس معتمدین نے اسکے متعلق قطعی فیصلہ کرنیسے پہلے یہ ضروری سمجھا ہے کہ اس سوال کو دیگر انجمنہائے احمدیہ کے سامنے پیش کیا جاوے۔ صدر انجمن کا مالی سال چونکہ ۳۰ ستمبر کو ختم ہوتا ہے اسلیئے ستمبر کا مہینہ ہی ایسی کانفرنس کے لیئے مناسب ہے۔ پس کانفرنس کے اجتماع کیلیئے ستمبر کے شروع میں ہر ایک انجمن کے سکرٹری و پریزیڈنٹ کا آنا ضروری ہوگا۔ اگر انجمنیں اس تجویز کو پسند کرسکیں تو یہ اس لحاظ سے بھی عمدہ تجویز ہے کہ ان احباب کو جو ان دینی کاموں میں زیادہ دلچسپی لیتے ہیں سال میں دو بار جمع ہونیکا موقعہ مل جائیگا۔

متفرق چندے۔ کسی گذشتہ رپورٹ میں احباب کو یہ توجہ دلائی گئی تھی کہ متفرق چندوں سے قوم کی توجہ تقسیم ہو کر وہ کام جو کل قوم کی متفقہ توجہ سے ہو سکتے تھے ادھورے رہ جاتے ہیں۔ یہ کسی ایک شخص کا ذاتی خیال نہیں بلکہ سب جگہ وہ احباب جنکے سپرد احباب سے چندہ وصول کرنیکا کام ہے اس دقّت کو محسوس کرتے ہیں۔ اور بعض ایسے احباب نے مجھ سے خود اس دقّت کا ذکر کیا ہے۔ کہ جب کبھی کوئی خاص چندہ اسطرح پر کیا جاتا ہے تو ماہوار مقررہ چندوں کے لازماً بقائے رہ جاتے ہیں۔ گذشتہ اجلاس مجلس معتمدین میں ایک درخواست اس مضمون کی مجلس کے سامنے پیش ہوئی ہے کہ بعض لوگ بلا استصواب صدر انجمن احمدیہ چندہ کیلیئے عام طور پر جماعت میں تحریک کرتے رہتے ہیں اسکے لیئے کوئی مناسب انتظام ہونا چاہیئے۔ اس درخواست پر صدر انجمن کی طرف سے یہ اعلان ضروری سمجھا گیا ہے کہ "بجٹ میں جن اخراجات کو منظور کیا جاتا ہے سب احمدیہ انجمنوں اور احمدیہ پبلک کا یہ فرض ہے کہ اسے پورا کرنیکے لیئے پہلے کوشش کیجاوے اور اسے سب تحریکوں پر مقدم کیا جاوے بجٹ کے اخراجات کے علاوہ اگر کسی صاحب کے خیال میں کوئی نئی ضرورت پیش آئے یا نئی تحریک کرنا چاہیں تو لازم ہوگا کہ اسے صدر انجمن میں پیش کریں صدر انجمن اگر مناسب دیکھے گی تو اسی سال کے بجٹ کے منظور شدہ اخراجات سے اسے پورا کریگی یا آئندہ سال کے بجٹ تک اسے ملتوی رکھیگی یا اسکے لیئے خاص چندہ کریگی"۔ گذشتہ سالانہ اجلاس دسمبر میں بھی جب یہ سوال حضرت خلیفۃ المسیح کے سامنے پیش ہوا تھا تو آپنے فرمایا تھا کہ صدر انجمن کے چندے ایسے ہیں جیسا ایک مہمان ہوتا ہے جسکی دعوت کیجاتی ہے اور جسکے لیئے ہر طرح سے تیاری کی جاتی ہے پھر عین اسوقت جب وہ کھانا تیار ہو چکا ہے تو ایک سوالی بھی آجاتا ہے یہ متفرق چندوں کی مثال ہے۔ اصل غرض تو مہمان کو ہی کھلانا ہوتا ہے مگر سوالی کو بھی خالی ہاتھ نہیں پھیرا جاتا۔ اگر کسی صاحب کے

دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ صدر انجمن کے چندوں کو کیوں مقدم کیا جاوے تو اسے یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ صدر انجمن انہی کاموں کو کرتی ہے جنکا اجرا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے خود کیا اور جنکے لیئے چندوں کو لازمی قرار دیا۔ پس صدر انجمن کے اغراض سے مراد ہی وہ سلسلہ کے اغراض ہیں جنکو حضرت مسیح موعود نے اغراض قرار دیا۔ ہماری جماعت ایک ضعفار کی جماعت ہے کس شخص کا دل نہیں چاہتا ہوگا کہ وہ حضرت صاحب کے اس ارشاد کی تعمیل میں پوری کوشش کرے جسکے نکلے ہوئے بھی پانچ سال ہو گئے کہ میگزین کی اشاعت دس ہزار تک پہنچ جائے لیکن کہانتک ہمنے اسے پورا کر دکھایا جو اور کھیڑوں میں بھی لگ گئے ؟

ولایت میں احمدیہ مشن۔ مسٹر وب امریکہ کے مشہور نو مسلم ڈاکٹر خلیفہ رشید الدین صاحب کے اس لیکچر کو پڑھکر جو انہوں نے گذشتہ دسمبر میں بعنوان انگریزی ممالک میں تبلیغ اسلام دیا تھا۔ لکھتے ہیں کہ نہ صرف انکی بلکہ اور لوگوں کی بھی جو اسلام سے دلچسپی رکھتے ہیں یہ خواہش ہے کہ کوئی پیدائشی مسلمان ان ممالک میں تبلیغ اسلام کرے۔ اسلیئے اگر صدر انجمن احمدیہ اپنی طرف سے کوئی ایسا قابل آدمی بھیجے جو اسلام کی تعلیم بخوبی واقف ہو اور انگریزی میں تبلیغ کر سکے تو امید ہے کہ بہت کامیابی ہوگی۔ مگر ابتدا میں اس مشن کے اخراجات انجمن کو ادا کرنے ہونگے جبتک کہ وہاں معاونین پیدا ہو جائیں۔ مسٹر وب نے خود بھی ہر طرح سے امداد دینے کا وعدہ کیا ہے۔ یورپ یا امریکہ میں احمدیہ مشن کا قائم کرنا کثیر اخراجات کو چاہتا ہے۔ اور دوسری طرف صدر انجمن نے جو تجویز بعض کتابوں کے ولایت میں شائع اور تقسیم کرنیکی کی ہے وہ بھی دراصل اسیوقت مفید ہو سکتی ہے جب مشن وہاں قائم ہو تاکہ کتابیں انہی لوگوں میں تقسیم ہوں جو دلچسپی بھی رکھتے ہیں۔ اور جنکے انسے فائدہ اٹھانیکی امید ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک رؤیا بھی ایک مرتبہ بیان فرمایا تھا جسکا مضمون قریب قریب ایسا تھا کہ آپ لنڈن میں لیکچر دے رہے ہیں کیا عجب کہ آپکے کسی غلام کے ہاتھ پر یہ رؤیا پورا ہو۔ پس ایک طرف تو ضرورت اور دوسری طرف اخراجات کا مقابلہ۔ اس مشکل کو بھی صدر انجمن نے انجمنہائے احمدیہ کے سامنے رکھا ہے کہ انکی رائے کو معلوم کرکے اسپر کوئی فیصلہ کیا جاوے۔

جلسہ سالانہ۔ سالانہ جلسہ میں دو ہی ماہ باقی رہ گئے ہیں۔ چونکہ عید الضحیٰ کی مبارک تقریب ۲۴ دسمبر کو ہے اسلیئے مجلس معتمدین نے ۲۴۔ ۲۵ اور ۲۶ دسمبر سالانہ جلسہ کی تاریخیں مقرر کی ہیں۔ تخفیف کرایہ ریلوی کیلیئے عنقریب درخواست کی جاوے گی۔ مکان کے متعلق ابھی تک کسیقدر دقتیں ہیں۔ سال گذشتہ میں ایک عارضی چھپر تیار کرایا گیا تھا مگر وہ اس قابل نہ تھا کہ برسات کی بارشوں کی برداشت کرتا لہذا

اسے اُتار ناپڑا۔ خیموں کے ملنے میں نمائش کی وجہ سے دقّت معلوم ہوتی ہے۔ لہٰذا اس سوال پر بھی انجمن غور کر رہی ہے۔ سالانہ جلسہ کے اخراجات کا تخمینہ تین ہزار کیا گیا ہے۔ اور اس رقم کا بہت جلد پورا ہونا ضروری ہے کیونکہ لنگر کی ماہوار آمد بمشکل اسکے اخراجات کے لیے مکتفی ہوتی ہے۔ اس رقم کے پورا کرنیکے لیے بھی امید ہے کہ انجمنیں تجاویز سوچکر پیش کرینگی تا کہ کسی ایک تجویز کے مطابق عمل کر کے جملہ انجمنوں کو اطلاع دیجاوے۔

تعمیر کے چندہ کیلیۓ جس وفد کے نکلنے کا خیال گذشتہ ماہ میں کیا گیا تھا بعض روکوں کی وجہ سے اس میں اور التوا واقع ہو گیا ہے۔ اور تعمیر کا روپیہ نہ ہونیکی وجہ سے بورڈنگ کی تعمیر کا کام بھی رُکا پڑا ہے۔

عید فنڈ۔ عید الفطر گذر چکی۔ عید فنڈ کا جسقدر روپیہ جمع ہو چکا ہو وہ بہت جلد محاسب صدر انجمن احمدیہ کے نام بھیجدیا جاوے۔ امید ہے کہ اگلے رسالہ میں یہ اعلان ہو سکیگا کہ کس کس جماعت سے کس کس قدر چندہ عید فنڈ کا وصول ہوا۔

انجمنہائے احمدیہ۔ جس صورت میں سلسلہ کے کام اور اسکی ذمہ واریاں دن بدن بڑھتی جاتی ہیں۔ انجمنہائے احمدیہ کا باضابطہ قیام ہر جگہ ضروری ہے۔ دو سال ہوئے کہ ان انجمنوں کے لیے قواعد تجویز کر کے بھیجے گئے تھے مگر ابتک اکثر مقامات پر انجمنوں کی حالت قابل اطمینان نہیں۔ وصولی چندہ میں بہت تساہل سے کام لیا جاتا ہے۔ ان انجمنوں کے قیام سے اصل غرض تو یہ تھی کہ ہر جگہ کے احباب کو سلسلہ کی ضروریات خود بخود مدّ نظر رہیں اور بار بار صدر مقام سلسلہ سے تحریک کی ضرورت نہ رہے۔ مگر بہت تھوڑی انجمنیں ہیں جو اس غرض کو پورا کر رہی ہیں۔ اکثر جگہ وصولی چندہ کا باقاعدہ انتظام نہیں ہے۔ خدا کرے کہ اس ضرورت کی طرف ہمارے احباب کو جلدی توجہ ہو۔

واعظین۔ حضرت خلیفۃ المسیح کے ارشاد سے یہ تجویز ہے کہ تین چار احباب جن میں مفتی محمد صادق صاحب بھی ہونگے۔ ہندوستان میں تبلیغ کیلیۓ جاویں۔ اور جہاں جہاں آریہ سماج نے ارتداد کا جال پھیلانا چاہا ہے وہاں مشن قائم کرنیکے لیے عملی تجاویز سوچیں۔ امید ہے کہ مفتی صاحب موصوف جو صدر انجمن احمدیہ کے محاسب ہیں اس دورہ میں احمدیہ انجمنوں کے قیام کی طرف پوری توجہ فرماوینگے۔ اور ان علاقوں میں انجمن کی طرف سے چندہ تعمیر کی فراہمی کی کوشش کریں گے۔ التماس ہے کہ سب احباب انکو ان اغراض کی تکمیل میں مدد دیں۔

(سکرٹری صدر انجمن احمدیہ)

گوشوارہ آمد و خرچ خزانہ صدر انجمن احمدیہ قادیان ضلع گورداسپور بابت ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء

اشاعت اسلام

آمد / خرچ	رقم
آمد: اعانت	ماللعہ ۵/۶ پائی
اردو	سماعہ ۱۱/۶ پائی
انگریزی	مالعہ ۵/
ضمیمہ	عہ ۱۲/
متفرق	للعہ ۱۵/۶ پائی
کرایہ	عہ
بکڈپو	لعہ ۱۵/۹ پائی
میزان	مالعہ الـ ۱/۳ پائی
بقایا گذشتہ	الاعہ للعہ ۲/۳ پائی
کل میزان	صماعہ صمہ ۳/۶ پائی
خرچ: عملہ	سماعہ ۶/
طبع	مااللعہ ۷/۳ پائی
کاغذ	للعہ ۸/
بکڈپو	اساعہ
سایر	ماعہ ۸/
ٹکٹ	ماعہ
لائبریری	عما ۱/
متفرق	عہ ۸/۹ پائی
انتظامی اخراجات	صہ
اسباب	عہ ۷/
تعمیر	ماعہ ۱۴/۹ پائی
خرچ بیرون	سماعہ الـ ۱۲/۶ پائی
باقی یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء	الاعہ عہ ۷/

تعلیم

آمد / خرچ	رقم
آمد: چندہ مدرسہ	صماعہ ۶/۳ پائی
فیس مدرسہ	اساللعہ ۱۳/۳ پائی
فیس بورڈنگ	سااللعہ ۱۲/۳ پائی
عید فنڈ	۱/
کرایہ مکانات	للعہ ۸/
سرکاری گرانٹ	مالعہ ۲/۲ پائی
میزان	سماعہ الـ ۱/۱ پائی
بقایا گذشتہ	معاعہ ۱۳/۳ پائی
کل میزان	اساعہ اعـ ۸/۳ پائی
خرچ: عملہ	للعاعہ الـ ۳/۳ پائی
سایر	ماعا ۱۰/۳ پائی
سامان	مااللعہ ۱۴/
مرمت	مالعہ ۳/۶ پائی
غیر معمولی اخراجات	للعہ ۸/
متفرق	للعہ ۸/
انتظامی اخراجات	صلعہ
کرایہ	للعہ
میزان خرچ	صماعہ اعـ ۱۲/
فاضل یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء	ہلعہ ۳/۹ پائی

مقبرہ بہشتی

آمد / خرچ	رقم
آمد: حصہ آمد	ماعہ ۳/۹ پائی
حصہ جائداد	عہ
متفرق	معہ ۸/۳ پائی
کرایہ مکانات	صہ ۸/
شرط اول	ہہ ۸/
فروخت جائداد	ماعہ
امداد اضیاف	مالعہ ۳/۶ پائی
میزان	صمالعہ ۱۵/۹ پائی
بقایا گذشتہ	مالعہ الـ ۱۵/۱ پائی
کل میزان	الاعہ الـ ۱۴/۴ پائی
خرچ: عمود قبر	ماعہ ۵/
باغیچہ	عہ
مساجد	لہ ۸/
واعظین	عہ ۳/
متفرق	لہ
تعمیر	صاعہ ۱۲/۶ پائی
انتظامی اخراجات	عاعہ ۸/
انتظام جائداد	اساعہ ۱۴/
میزان خرچ	ساعہ الـ ۲/۶ پائی
باقی یکم اکتوبر ۱۹۰۹ء	اساعہ ۱۱/۱۰ پائی